(۴۱)

میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ بہت دنوں سے خط کیوں نہیں لکھا؟ آگرہ میں ہو، یا نہیں؟ میرزا حاتم علی صاحب کا شفقت نامہ آیا۔ یہاں سے کس کا جواب بھیجا گیا۔ وہاں سے جواب آ گیا۔ میر مکرم حسین کا خط پرسوں آیا۔ وہ چار دن میں اس کا جواب لکھوں گا۔ میرا حال بدستور ہے۔

نہ نوید کامیابی، نہ نہیب نا امیدی

بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے اور میرے خط کے جواب میں ہے۔ دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاہے گا۔ تب ان کو خط لکھوں گا، تم اگر ملو تو ان سے کہہ دینا کہ بھائی قاسم علی خاں کے شعر نے مجھ کو بڑا مزا دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے تھے۔ میں نے ایک ولائتی چغہ اور ایک شال رومال ڈھائی گز اولال کو دیا تھا اور وہ اس وقت روپیہ لے کر آیا تھا۔ میں روپیہ لے کر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خط اچھے

۱؎ یہ صرف اس لیے کہا کہ صرف یہی مقطع اور ایک مصرع یہاں لکھنا منظور تھا۔

وقت آیا

۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء

غالب

میرزا تفتہ کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط بانٹا کرتا ہے۔ آیا اور اس نے پارسل موم جامے میں لپیٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے اس کی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پمفلٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگے ہوئے۔ مگر اس کے آگے کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا۔ ہرکارے نے کہا، ایک روپیہ دس آنے دلوا دیئے۔ دلوا دیے اور پارسل لے لیا۔ مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا۔ اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی۔ اور اس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔

وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں۔ یعنی منشی بھگوان پرساد مشلخو ان میرا اسلام قبول کریں۔

۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء

غالب

میرزا تفتہ!

تمہارے اوراق مثنوی کا پمفلٹ پارکٹ پرسوں ۴ ؍ ۱۵ اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی ؔکی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اس نثر کی رسید نہیں پائی۔ اور نہیں معلوم کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول طبع ہوئی یا نہیں؟ نہیں معلوم مولوی قمر الدین خاں الہ آباد سے آ گئے یا نہیں؟ میر منشی قدیم ؔوہاں پہنچ گئے اپنا کام کرنے لگے یا کر رہے ہیں۔ آپ کو بتا کید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھیے اور جلد لکھیے۔ اس خط کے بھیجے تک سے پارسل پہنچ جائے۔ اس کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے گا۔

اب ایک اور امر سنو۔ میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یک جولائی ۱۸۵۸ء تک دو دیدا شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے۔ وہ عربی، انگریزی، ہندی جو ہیں۔ وہ لکھ دیے ہیں۔ مثلاً تمہارا نام منشی ہرگوپال لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا اور اس کی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے۔ یہی میرا خط جیسا اس رقعہ میں ہے۔ نہ چھدرا۔ نہ گنجان اوراق بے مسطر پر اس طرح کہ کسی صفحہ میں بیس سطر اور کسی میں بائیس سطر بلکہ کسی میں انیس سطر بھی آئے، چالیس صفحے یعنی بیس ورق ہیں۔

۱؎ حاتم علی بیگ ۲؎ منشی غلام غوث خاں بے خبر

اگر اکیس سطر کے مسطر سے کوئی گنجان لکھے تو شاید دو جز میں آ جائے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے۔ سنتا ہوں کہ ایک ہے اس میں کاپی نگار خوشنویس نہیں ہے۔ اگر آگرہ میں اس کا چھاپا ہو سکے۔ تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہی وستی اور بے نوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطبع اتنے پر کیوں مانے گا اور البتہ چاہے اگر ہزار نہ ہوں تو پانسو جلد تو چھاپی جائے۔ یقین ہے کہ پان سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں تین یا چار آنے قیمت پڑے۔ کاپی تو ایک ہی ہو گی۔ رہا کاغذ، وہ بھی بہت نہ لگے گا۔ لکھائی متن تو آپ کو معلوم ہو گئی حاشیے پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے بہ ہر حال اگر ممکن ہو تو اس کا تکدمہ کرو اور حساب معلوم کر کے مجھ کو لکھو۔ اگر منشی قمر الدین خاں آ گئے ہوں تو ان کو بھی شریک مصلحت کو لو۔ ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب یہ سب ایک خط میں پاؤں۔ ضرور ضرور ضرور، جواب طلب، واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا جاتا ہے۔

نگاشتہ درواں راشتہ، سہ شنبہ ہفدہم اگست

۱۸۵۸ء غالب

بھائی!

تمہارا وہ خط جس میں اوراق مثنوی ملفوف تھے پہنچا۔ اوراق مثنوی اوراق وستنبو کے ساتھ پہنچیں گے اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں ۔ الگ الگ سمجھ لینا۔

جب تم نے میرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا؟ بات اتنی تھی کہ مجھ کو لکھ بھیجئے کہ نثر آئی اور مرزا نے پسند کی۔ اب ان سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپ کے شکر بجالانے کا شکر بجالاتا ہوں۔

چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا ہے۔ وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے۔ تب جانو گے۔ اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے کہ اس سے ایک جلد اب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا اور ایک جلد بذریعہ ان کے جناب ملکہ معظّمہ انگلستان کی نذر کروں گا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اس کا انطباع کیوں نا مطبوع ہوگا

جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا: وہ کون ملا تھا۔ جس نے تم کو پڑھایا:

گرچہ عمل کار خردمند نیست
عمل کار، اہل کار

یہ شعر شیخ سعدیؒ کا بادشاہ کی نصیحت ہے۔

جز بجز و مند ہر ما عمل

یعنی خدمت و اعمال سوائے علماء او عقلا کے اور کی تفویض نہ کر۔ پھر خود کہتا ہے:

گرچہ عمل کار خرد مند نیست

"یعنی اگر چہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا کام نہیں او رعقل سے امید ہے کہ آدمی اپنے کو خطرے سے میں ڈالے۔ عمل الگ ہے اور کار مضاف ہے بطرف خردمند کے ورنہ دہائی خدا کی عمل کار اہل کار کے معنی پر نہیں آتا! مگر قتیل۲؎ اور واقف۳؎ یا اور یورپ کے ملکیوں کی فارسی۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

صاحب:

عجیب اتفاق ہے آج صبح کو ایک خط تم کو ایک اور خط جاگیر کے گانو کی تہنیت میں اپنے شفیق ہے کو ڈاک میں بھیج چکا تھا کہ دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا۔ میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں مول نہیں لیتا۔ قضارا جب میں نے اس کو کھولا۔ اسی ورق میں یہ مطلع نکلا:

اگر بہ گنج گہر میلم و فتاو چہ باک
کف جواد ترا از برائے آں مارم

لے مطلب یہ ہے کہ تفتہ نے گرچہ عمل کار خردمند نیست، میں عمل کا کو ایک لفظ بہ معنی اہل کار سمجھا حالانکہ شغل ملازمت ہے اور کار خردمند کی طرف مضاف ہے، جیسا کہ غالب نے کھول کر بتایا ہے۔ ۲ قتیل، اصل میں کھتری تھا۔ فرید آباد کا باشندہ مشہور تھا اور میرا خیال ہے اس سے فرید آباد قصبہ مراد ہیں بلکہ دہلی کے ایک محلے کا نام مراد ہے۔ جسے سید فرید بخاری مخاطب نارم رکھا۔ فارسی نظم ونثر میں شہرت پا کر میرزا محمد حسن قتیل مشہور رہا۔ لکھنو میں ۱۸۲۳ء میں بہ عہد غازی الدین حیدر وفات پائی۔ ۳ واقف بٹالہ کے قاضی۔ نورالعین نام قاضی امانت اللہ کے فرزند تھے۔ عام طور پر یہ واقف لاہوری مشہور رہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے دوست تھے۔ آزاد نے ان کا حال خزانہ عامرہ میں لکھا ہے۔ عبدالحکیم حاکم لاہوری کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ اورنگ آباد ہوتے ہوئے سورت پہنچے۔ حاکم جہاز پر سوار ہو کر حجاز پہنچ گئے۔

واقف ضعف جسمانی اور ہجوم امراض کے باعث سمندر کا سفر نہ کر سکے اور صورت میں ٹھہرے رہے۔ حاکم کی واپسی پر اورنگ آباد گئے۔ وہاں سے پنجاب آ رہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے سب کچھ لوٹ لیا۔ میر غلام علی آزاد کو حادثہ کی خبر دیتے ہوئے یہ شعر بھی لکھا:

عینکے و پارہ سیماب با من ماندہ است
چشم حیران و دلی بے تاب با من ماندہ است

سیماب اس لیے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیا گری کا شوق تھا۔ آزاد نے واپسی کا سر و سامان کر دیا۔ اس طرح بٹالہ پہنچے ان کا دیوان چھپا ہوا موجود ہے۔ غالب، واقف یا قتیل کو فارسی میں مستند نہیں مانتے تھے۔ یہ غالباً حاتم علی بیگ مہر۔

چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ ناگاہ تمہارا خط آیا۔ مجھ کو لکھنا ضرور رہوا۔ آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ۔ اس شعر کو اب چاہے رہنے دو۔

ہائے ہائے۔ تم بھائی سے ملے غیاث اللغات، کھلوائے جواد کا لغت دیکھا۔ مگر میرا ذکر نہ کیا کرو تمہارا جو ماے حال ہے۔ دستنبو اور اس کے چھاپے کو ذکر نہ کیا۔ البتہ تم ذکر کرتے۔ تو دو دنوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کہہ دیتے۔ چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا تو ان کا ستم اور انکا کہا ہوا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم۔ بہ ہر حال خوب مصرع حافظ کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے۔:

یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت

خواہی تم خواہی منشی نبی بخش سلمہ اللہ تعالی، یہ یاد رہے یہ مصرع اگر مجھ پر زنجیر سے باندھو گے تو بھی نہیں بندھے گا۔ اگر دستنبو کو سراسر غور سے دیکھو گے تو اپنا نام پاؤ گے اور یہ بھی جانو گے کہ وہ تمہاری اس تحریر سے سو برس پہلے کی ہے۔

آخر روز دوشنبہ ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

نور نظر و لخت جگر، مرزا تفتہ!

تم کو معلوم رہے کہ رائے صاحب مکرم و معظم رائے امید سنگھ بہادر یہ رقعہ تم کو بھیجیں گے ۔تم اس رقعہ کو دیکھتے ہی ان کے پاس حاضر ہونا اور جب تک وہاں رہیں ۔تب تک حاضر ہوا کرنا اور دستنبو کے باب میں جوان کا حکم ہو بجالانا ۔ان کو پڑھا بھی دینا اور فی جلد کا حساب سمجھا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت کر دیں گی وہ لے لینا ۔جب کتاب چھپ چکے، دس جلدیں رائے صاحب کے پاس اندور بھیج دینا اور چالیس جلدین بموجب انکے حکم کے میرے پاس ارسال کرنا اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرائش کے باب میں تم کو لکھا ہے ۔اس کا حال مجھ کو ضرور لکھنا۔

ہاں صاحب ۔ایک رباعی میرے سہو سے رہ گئی ہ۔اس رباعی کو چھاپا ہونے سے پہلے حاشیے پر لکھ دینا۔ جہاں یہ فقرہ ہے۔ نے نے اختر بخت خسرو دربلندی بجاے رسید کہ رخ از خاکیاں نہفت:

جاے کہ ستارہ شوخ چشمی و رزد
افسر افسارو گرزن ارزن ارزد
خورشید اندیشہ جا درگردش
ہر چرخ نہ بینی کہ چساں لے لرزدہ

چونک حاشیہ معنی لغات سے بھرا ہوا ہے۔تو تم اس فقرے کے آگے نشان بنا کر

اوپر کے حاشیے پر رباعی لکھ دینا اور حاشیہ یمین پر جہاں اور معنی لکھے ہوے ہیں۔ وہاں رباعی کے لغات کے معنی خفی قلم سے لکھ دینا۔ افسر افسار

---

۱ نبی بخش حقیر ۲ دہلی کالج میں تعلیم پاکر ہلکر کا اتالیق مقرر رہوا۔ ہلکر نے ۱۸۵۲ء کو حکومت سنبھالی تو اجید سنگھ کو خلعت و انعام گراں بہا کے علاوہ شیر الدولہ خطاب چھ ہزار کی جاگیر نسل بعد نسل اور چھ ہزار سالانہ تنخواہ تاحیات مقرر کی ۳ افسر، تاج افسادہ گھوڑے کے ماتھے کا ساز گرزن تاج ارزن چینا ۴ جادر گردش تغیر احوال

''گرزن'' (بہ ہردو فتحہ) جادر گردش۔''

نگاشتہ ۲۸ اگست ۱۸۵۸ء

غالب

صاحب! عجب تماشا ہے۔تمہارے کہے سے منشی شیونرائن صاحب کو خط لکھا تھا ۔سو کل ان کا خط آیا اور انھوں نے دستنبو، کی رسید لکھی ۔ڈاک کا ہرکارہ تو ان کے پاس لے نہ گیا ہوگا۔ آخر تمہیں نے بھیجا ہوگا۔ یہ کیا تم نے مجھ کو اس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا؟ اگر یہ گمان کیا جائے کہ تم نے رائے امید سنگھ کی ملاقات ہو لینے پر خط لکھنا منحصر رکھا ہے، تو وہ بھی ہو چکی ہوگی ۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے۔ کہ گویا تم الگ ہو گئے ہوں ۔کتاب مطبع میں حوالے کردی۔ اب اس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں ۔پس اگر یوں ہے تو میں اس انطباع سے درگزرا سیکڑوں مطالب و مقاصد رہ جائیں گے اور پھر اس وحشت کی وجہ کیا؟ بے تکلف قیاس چاہتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو، خدا کے واسطے خفگی کی وجہ لکھو۔صبح کو میں نے یہ خط روانہ کیا ہے ۔بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ ۔اگر شام تک تمہارا خط آیا تو خیر ورنہ تمہاری رنجش کا بالکل یقین ہو جائے گا ۔اور بہ سبب وجہ نا معلوم ہونے کے جی گھبرائے گا۔ میں نے تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پایا۔خدا کے واسطے جلد خط لکھو۔اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔

جانتا ہوں کہ تم رائے امید سنگھ سے بھی نہ ملے ہوگے ۔عیاذ اللہ میں ان سے شرمندہ رہا کہ میں نے کہا تھا کہ ہاں مرزا تفتہ دستنبو کو اچھی طرح پڑھا دیں گے ۔

اگرچہ ایسے حال میں کہ مجھ کو تم پر الگ ہونے اور پہلو تہی کرنے کا گمان گزرا ہے ۔کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہیے ۔مگر ضرورت کو کیا کروں؟ ناچار لکھتا ہوں ۔

صاحب مطبع نے خط کے لفافے پر لکھا ہے۔ مرزا نوشہ صاحب غالب، للہ غور کرو کہ یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں۔ صفحہ اول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا اردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے کی یہ کوئی کتاب اس شہر میں نہیں پہنچی جو میرا نام دیکھ لیتے۔ تم نے بھی ان کو میرا نام نہیں بتایا۔ صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے۔ بلکہ سبب یہ ہے کہ دلی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے لیکن کلکتہ سے ولایت تک، یعنی وزراء کے محکمے میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی اس نالائق عرف کو نہیں جانتا۔ پس اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا تو میں غارت ہو گیا۔ کھویا گیا۔ میری محنت رایگاں گئی۔ گویا کتاب کسی اور کی ہو گئی۔ لکھتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں۔

بدھ کا دن، ستمبر کی پہلی تاریخ ۱۸۵۸ء

غالب

اللہ شکر، تمہارا خط آیا اور دل سودا زدہ نے آرام پایا۔ تم میرا خط اچھی طرح نہیں پڑھا کرتے۔ میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آ جائے۔ میں نے لکھا تھا کہ عبارت اس قدر ہے کہ دو میں آ جائے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔ یہ ہر حال اس نمونے کی تقطیع اور حاشیہ مطبوع ہے۔ لغات کے معنی حاشیے پر چڑھیں۔ اس کی روش دل آویز اور تقسیم نظر فریب ہے۔ رباعی حاشیے پر لکھ دی۔ اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ ان کو بتائے ہیں۔ ضرور لکھوا دینا۔ میں نے جو تم کو میرزائی کا خطاب دیا ہے۔ ان فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔

بہت ضروری ہے امر ہے اور میں منشی شیو نرائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں۔ تیسرے صفحہ کے آخر یا چوتھے صفحہ کے اول یہ جملہ ہے:

”اگر دردم دیگر بہ نہیب مباش بہم زند

نہیب کی جگہ نوائے بنا دینا

”بہ نوائے مباش بہم زند

”نہیب“ لفظ عربی ہے۔ اگر رہ جائے گا تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے۔ تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے اور اسی جگہ نوا سے لکھ دیا جائے۔

رائے امید سنگھ نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی۔ حق تعالیٰ ان کو اس کار سازی اور فقیر نوازی کا اجر دے۔ صاحب، کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آ پڑا ہے۔

اور پھر کام کیسا کہ جس میں میری جان الجھی ہوئی ہے اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے پہلو تہی نہ کرو اور بہ دل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی ہوگیا۔ چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبداللطیف کا کردو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ تمہارا بوڑھا اور ملف چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں۔ تزیین تم کرو۔ کہتا ہوں مگر نہیں جانتا کہ تزیین کیوں کر چاہیے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی پھیر دیتے ہیں تاکہ حروف روشن ہوجائیں۔ سیاہ قلم سے جدول بھی کھچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پر تکلف بن سکتی ہے۔ جتجیے کی دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری ان کی میرے کس دن کام آئے گی۔

میرزا تفتہ، تم بڑے بے درد ہو۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم ہیں آتا۔ بلکہ تم اس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نچہ بند تو میسر نہیں، صحاف اور نقاش کہاں؟ شہر آباد ہوتا تو آپ کو تکلیف کیوں دیتا؟ یہیں سب درستی میری آنکھوں کے سامنے ہوجاتی۔ قصہ مختصر، یہ عبارت منشی عبداللطیف کو پڑھادو۔ میں تو ان کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھ کو اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں۔ تو کیا عجب ہے۔ دو روپے فی جلد۔ اس سے زیادہ کا مقدور نہیں۔ جب مجھ کو لکھو گے۔ ہنڈوی بھیج دوں گا۔ چھ روپے، آٹھ روپے۔ دس روپے، حد بارہ روپے، میاں کو سمجھا دینا کمی کی طرف نہ گریں۔ اچھی چیز بنے۔ نہایت بارہ روپے میں چھ جلدیں تیار ہوں۔

منشی شیونرائن کو سمجھا دینا کہ زنہار عرض نہ لکھیں۔ نام اور تخلص بس۔ اجزاے خطابی کا لکھنا نا مناسب بلکہ مضر ہے۔ مگر ہاں نام کے بعد لفظ بہادر کا اور بہادر کے بعد تخلص اسداللہ خاں بہادر غالب۔"

بھائی تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی۔ کہیں وہ پارسل میں سے گر تو نہ گئے ہوں۔ دیکھو کس لطف سے میرے

---

۱ مطلب یہ ہے کہ میرزا نوشہ نہ لکھیں اور نہ نجم الدولہ و بیر الملک نظام جنگ جو میرزا کے اجزائے خطاب تھے۔

میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتائے ہیں۔ حاشیے پر لکھ دیے ہوں گے۔ نہیب کے لفظ کو جمیل کہ نوا سے بنا دیا ہوگا۔ برخوردار منشی عبداللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہوگا۔ ان کی سعادت مندی سے یقین ہے کہ میری التماس قبول کریں اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہو گیا ہو۔ اگر پتھر بڑا ہے تو چاہیے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد منطبع ہو جائے۔

بھائی، منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں۔ مجھ پر مہربان اور حسن کلام کے قدردان ہیں۔ اس کی تصحیح میں بے پروائی کریں گے تو کیا میری تفضیح کے روادار ہوں گے۔ بھائی تم نے بھی اور منشی شیونرائن صاحب نے بھی لکھا۔ میں ایک عبارت لکھتا ہوں اگر پسند آ جائے تو خاتمہ کتاب میں چھاپ دو۔

نامہ نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے کہ یہ جو میری سرگزشت کی داستان ہے۔ اس کو میں نے مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ اور صاحبان مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں۔ اپنے مطبع میں اس کے چھاپنے پر جرات نہ کریں

اس کے سوداگر کو ہ طرح کی تحریر منظور ہو تو منشی شیونرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں۔ یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب وہ امر ضروری الاظہار تھے۔ اس واسطے یہ خط لکھا ہے ایک تو اردو عبارت دوسرے یہ کہ

میرے شفیق مکرم سید مکرم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے۔اور انھوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے۔اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں۔تم کو چاہیے کہ ان سے کہہ دو بلکہ یہ عبارت ان کو دکھا دو۔

بندہ پرور نواب عطا اللہ خاں میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں۔ان کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دونوں صاحب صحیح و سالم ہیں۔شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے۔وہاں رہتے ہیں۔شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور ان کے مکانات فرق ہیں۔نہ ضبط ہو گئے ہیں نہ واگزاشت کا حکم ہے۔

ارسوائی

---

(۵۰)

مشفق میرے، کرمافرما میرے!

تمہارا خط اور تین دورقے چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں اور دوسرے صفحہ پر لوح سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ اس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔ غرض کہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حسن ضبط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسند، صحت الفاظ کا کیا کہنا واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں کہ بھائی منشی نبی بخش صاحب یہ دل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دیں گے۔ تم میری طرف سے ان کو سلام کہنا بلکہ یہ خط دکھا دینا۔ خدا کرے انجام تک یہ قلم اور یہی خط اور یہی طرز تصحیح چلی جائے۔ جدول بھی مطبوع ہے۔ پہلے صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا چاہے تو دل پسند اور نظر فریب ہوگی۔ کاغذ کے باب میں یہ عرض ہے کہ فرنچ کاغذ اچھا ہے چھ جلدیں جو نذر حکام ہیں وہ اس کاغذ پر ہوں اور باقی چاہو شیو رام پوری پوراور چاہو نیلے کاغذ پر چھاپو اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی ہیں اس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی شیو رام پوری یا نیلے کاغذ پر یہ تکلف محض ہے۔ یہاں کے حاکموں نے کیا کیا ہے کہ ان کی نذر کی کتابیں اچھے کاغذ پر نہ ہوں۔ مگر جو ایسا ہی صرف اور خرچ زائد پڑتا ہو تو خیر دو جلدیں اس کاغذ پر اور چار جلدیں شیو رام پوری پر ہوں۔ باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے۔ ہاں صاحب

اگر ہو سکے تو کاپی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو اور آخر تک رنگ نہ بدلے۔
آگے اس سے میں نے برخوردار منشی عبداللطیف کو لکھا تھا کہ ان چھ کتابوں کی کچھ تزیین اور آرایش کی فکر کریں۔ معلوم نہیں تم نے وہ پیام ان کو پہنچایا یا نہیں۔ آپ اور منشی عبداللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں اور کوئی بات خیال میں آوے تو بہتر ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے کی لاگت سے بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔

آنکہ ہمہ را ور یک ایک دم بہ نوید بشو، پدید آورد، اگر دردم دیگر بہ نہیب مباش بہم زند۔ اس میں نہیب کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے؛ اس کو تیز چاقو سے چھیل کر بہ نوائے لکھ دینا، یعنی بہ نوائے مباش بہم زند ضرور ضرور اور اس کا انتظار نہ کیجیو کہ جب یہاں چھاپا آئے گا تو بنا دیں گے۔ نہ اصل کتاب میں غلط رہے۔ نہ چھاپے میں غلط ہے۔ اگر اجزائے اصل میر امیر علی صاحب کاپی نویس کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔

روز سہ شنبہ ہفتم ستمبر ۱۸۵۸

از غالب

اچھا، میرا بھائی، نہیب والے دوورقے چارسو ہوں۔ پانسو ہوں۔ سب بدلو ڈالنا، کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لیتا۔ اس لفظ کے رہ جانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائے گی اور میرے کمال کو دھبا لگ جائے گا۔ یہ لفظ عربی ہے۔ ہر چند مسودہ میں بنا دیا تھا۔ لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا۔ لکھتے ہو کہ مرزا صاحب وہ جلدیں درست کروں کے یہ تو صورت اور ہے، یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپے کی لاگت میں یہ کار سازی و ہنر پردازی، برخوردار منشی عبداللطیف چاہی تھیں۔ منتظر تھا کہ اب ان کا قبول کرنا مجھ کو لکھو گے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ ظاہر عبداللطیف نے پہلوتہی کی۔ مرزا صاحب اگر کفیل ہوئے تھے تو چھ جلدیں بنواتے نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ بہت پر تکلف اور چار بہ نسبت اس کے کچھ کم۔ اگر یوں ہے تو یہ تو مدعائے دلی میرا ہے۔ مگر اطلاع ضرور ہے۔

رائے امید سنگھ کے نام کا خط بہ احتیاط رہنے دو۔ جب وہ آئیں ان کو دے دو۔ جو تم لکھتے ہو کہ نہیب کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع ہو جائیں۔

ہمارے منشی شیو نرائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تا کہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں؟

میرزا تفتہ، سنو: ان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں، آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوئے ہیں اور میں نے بموجب ان کے کہنے کے برادر دینی

مولانا مہر کو لکھا ہے۔حضرت نے لا و نعم جواب میں نہیں لکھا۔تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۸۵۸ء سے خریدار ہیں۔آج ۱۶ ستمبر کی ہے۔وہ نمبر اخبار کے، ح کیم صاحب کے نام کا سرنامہ، ''خاں چند کے کوچے کا پتا لکھ کر روانہ کریں۔آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں اور حکیم احسن اللہ خاں کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے۔جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے۔اس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کرا کے ارسال کریں۔کاتب کی اجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیج دی جائیگی۔

بھائی، تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو اور مجھ کو اطلاع دو۔نہیب کے نہیب سے مرا جاتا ہوں۔اس کی درستی کی خبر بھیجو۔باقی جو چھاپے کے حالات ہوں۔اس کی آگہی ضرور ہے۔

پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۵۲)

بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے۔ مکالمہ ہے آج صبح کو ایک خط بھیج چکا ہوں۔ اب اس وقت تمہارا خط اور آیا ہے۔ سنو صاحب، لفظ مبارک میم، حا میم دال محمد اس کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ معنی محمد اسد اللہ خاں نہیں لکھا جاتا۔ میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔ رہا میرزا و مولانا و نواب اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔

بھائی کو کہنا، ان کے خط کا جواب صبح روانہ کر چکا ہوں۔ مرزا تفتہ اب تم ترتیبِ جلد ہائے کتاب کے بارے میں برادر زادہ سعادت مند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہربان[2] کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں۔

---

[1] مطلب یہ کہ تفتہ لے پوچھا تھا۔ کیا کتاب پر محمد اسد اللہ خاں لکھا جائے؟ نیز میرزا مولانا اور نواب میں سے کیا لکھا جائے۔ [2] یعنی مرزا حاتم علی بیگ مہر۔

خط تمام کر کے خیال میں آیا کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے تم پر بھی ظاہر کروں۔ صاحب، وہاں ایک اخبار موسوم آفتاب عالمتاب نکلتا ہے۔ اس کے مہتمم نے التزام کیے ہے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے حالات کا لکھتا ہے۔ نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں یہ چاہتے ہیں کہ سابق کے جو اوراق ہیں جب سے ہوں، وہ چھاپے خانے میں مسودہ رہتے ہیں۔ اس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے اجرت جو لکھی آئے گی وہ بھیجی

جائے اور ابتدا سے ۱۸۵۸ء سے ان کا نام خریداروں میں لکھا جائے۔ دو ہفتہ کے دو نمبر ان کو ایک لفافہ میں بھیج دیے جائیں اور پھر ہر مہینے، ہفتہ در ہفتہ ان کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں اور اب تک آثار قبول ظاہر نہیں ہوئے۔ نہ لفافے حکیم صاحب کے پاس پہنچے، نہ ان صفحات کی نقل میرے پاس آئی۔ آپ کو اس میں سعی ضرور ہے۔ اور ہاں صاحب، آفتاب عالم تاب، کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے۔ مگر آپ مجھ کو دیکھیں کہ مفید خلائق کا مطبع کہاں ہے؟ عجب ہے کہ ان صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب نہیں لکھا۔ فرمائش حکیم احسن اللہ خاں صاحب کی بہت اہم ہے۔ عند الملاقات میرا سلام کہہ کر اس کا جواب، بلکہ وہ اخبار ان سے بھجواؤ۔

غالب　　　　جمعہ ۷ ادسمبر

(۵۳)

بھائی،

آج صبح کو بہ سبب حکیم صاحب کے تقاضے کے شکوہ آمیز خط جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ ایک خط تمہارا اور ایک خط میرزا صاحب کا لایا۔ اب کیا کروں؟ خبر چپ ہو رہا۔ شکوہ محبت بڑھائے گا۔ مرزا صاحب کی عنایت کا شکر بجالاتا ہوں۔ یقین ہے کہ جلدیں میرے خاطر خواہ بن جائیں گے۔ کس واسطے کہ جو آج کے خط میں انھوں نے لکھا ہے۔ وہ بعینہٖ میرا مکنون ضمیر ا ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا۔ ان کے خط کا جواب کل پرسوں بھیجوں گا۔

رائے امید سنگھ بہادر خوباں روزگار میں سے ہیں۔ فقیر کا سلام نیاز ان کو کہہ دینا۔ خدا کرے ان کیسامنے کتابیں چھپ چکیں۔ بارے، جب وہ گوالیار کو تشریف لے جائیں تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔

’’نہیب‘‘ کی جگہ ’’نواے‘‘ بن جانے سے خاطر جمع ہوگئی۔ بھائی، میں فارسی کا محقق ہوں۔ کاتب ان اجزا کا جن کے رو سے پہلی کاپی لکھی جاتی ہے۔ فارسی کا عالم ہے۔ علم اس کا غیاث الدین رامپوری؎ اور حکیم محمد حسین؎ دکنی سے زیادہ ہے۔ تصحیح سے غرض یہ ہے کہ کاپہ سراسر موافق ان اوراق کے ہوں۔ نہ کہ فرہنگوں میں دیکھا جائے۔ آگے اس سے تم کو بھی اور بھائی کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اب صرف اس تحریر کا اشارہ لکھنا منظور تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط

پہنچا۔ لازم تھا کہ حکیم صاحب کو بھی لفافہ اخبار پہنچ جاتا۔ مگر اس وقت تک نہیں پہنچا اور یہ دوپہر کا وقت ہے۔

---

۱ مکنون پوشیدہ، چھپا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دل میں بھی یہی تھا۔ ۲ صاحب غیاث اللغات ۳ صاحب برہان قاطع۔

خیر پہنچ جائے گا۔ میں نے تمہارا خط ان کے پاس بھیج دیا تھا۔ انھوں نے تمہاری رائے منظور کی، اب تم وہ اخبار کو جس طرح تم نے لکھا ہے ان کے پاس بھیج دو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اجرت کاتب ان کو لکھ بھیجے۔ اپنے نام اور مسکن سے ان کو اطلاع دے۔ پس اس کو اپنے طور پر روپیہ بھیج دے گے۔ ہم تم واسطہ شناسائی ہمہ گر ہو گئے۔ ہاں اگر احیاناً روپے کے بھیجنے میں دیر ہو گئی تو میں کہہ کر بھجوا دوں گی۔ یہ البتہ میرا ذمہ ہے۔

صاحب،

قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ کل مرزا صاحب کے خط میں ان کو ایک مصرع کسی استاد کا لکھ چکا ہوں۔ میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا میرے نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بجوگ پڑا۔ ظاہرا انھوں نے پوسٹ پیڈ بھیج دیا ہوگا۔ پھر پوسٹ پیڈ بھی کیوں تلف ہو؟

''شیہہ'' بمعنی صدائے اسپ لغت فارسی ہے بہ شین مکسور دیا ہے معروف و ہائے ہو مفتوح اور ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اس کو صہیل کہتے ہیں۔ صیہہ کوئی لغت نہیں ہے۔ نہ عربی نہ فارسی اگر غنیمت کے کلام میں صیہہ لکھا ہے تو کاتب کی غلطی ہے غنیمت کیا گناہ؟

اصل مصرع یوں ہے:

ور خود زروے ہندسہ گاہے شمار یافت''

میں نے سہو سے خدا جانے کیوں کر لکھ دیا ہے۔ بھائی، مہر خوان کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں۔ یعنی عرف حاشیے پر شوق سے لکھوا دو۔ مگر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس عبارت سے جو تمہارے ذکر میں ہے۔ پہلے مہر خوان کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں۔ مکرر لکھنے کی حاجت کیا ہے؟ اور اگر لکھ ہی دو تو قباحت کیا ہے؟ بھائی صاحب کیوں مضائقہ

فرمائیں؟ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا۔ صاحبان کونسل کی رائے ولایت آگرہ یعنی میرے محکمے میں منظور مقبول[2] نام میرا جس طرح چاہو لکھ دو۔ بھائی میرزا تفتہ کل کے میرزا صاحب کے خط میں اس مادہ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں ایک قطعہ میرزا صاحب کا، ایک تمہارا بلکہ ایک مولانا حقیر سے بھی لکھواؤ۔

سی ام ستمبر ۱۸۵۸ء

---

[1] ملکہ وکٹوریہ کے قصیدے کا ایک مصرع ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

نتواں شمار دولت جاوید یا فتن
ور خود زروے ہندہ گاہے شمار یافت

---

[2] مطلب یہ کہ آگرہ میں میرے احباب کو جو مجلس ہے اس کا فیصلہ منظور ہے۔ [3] خط نمبر ۵۳ کے بعد تمام نسخوں میں ایک رقعہ ہے جو بدیہی طور پر مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام تھا اسے خواہ مخواہ اور اس مکتوب کا ضمیمہ بنا دیا گیا اسے آپ مرزا حاتم علی بیگ مہر کے خطوط میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵۵)

کیوں صاحب، اس کا کیا سبب کیا ہے کہ بہت دن سے ہماری آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ مرزا صاحب ہی آئے۔ نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایک بار منشی شیونرائن صاحب نے کرم کیا تھا اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ہے۔ اس راہ سے میں یہ تصور کررہا ہوں کہ اگر ایک فرمہ نثر باقی تھا تو اب قصیدہ چھاپا جاتا ہے اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بنی شروع ہوگئی ہوں گی۔

تم سمجھے، میں تمہارے اور منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمہارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گویا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے پھر تم کہو کیوں موقوف ہے؟ اور کیا دیر ہے؟ اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہوگئی؟ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دے دیں؟ اب میں ان کتابوں کا آنا کب تک تصور کروں؟ وسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی۔ کہیں دوالی کی تاریخ تک نوبت نہ پہنچ جائے۔

ہاں صاحب، تم نے کبھی کچھ حال قمر الدین خاں صاحب کا ذکر نہ لکھا۔ آگے اس سے تم نے اگست، ستمبر میں ان کا آگرہ کا آنا لکھا۔ پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے۔ وہاں تو منشی غلام غوث صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں۔ پھر یہ اس دفتر میں کیا کررہے ہیں۔ کہیں کسی اور کام پر معین ہوگئے ہیں۔ اس کا حال جلد لکھو۔ مجھ

کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ منشی غلام غوث خاں کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا ہے ۔مولوی قمر الدین خاں صاحب اس کے بندوبست کو آیا چاہتے ہیں۔اس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ ان سب باتوں کا جواب جلد لکھیے ۔ جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہیےاور یہ پیغام کہیے کہ کتاب کا حسن کانوں سے سنا۔دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا۔مگر آنکھوں کو رشک ہے کہ کانوں پر اور کان چشمک زنی کر رہے ہیں۔آنکھوں پر۔ یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کو کب تک ملے گا!۔ بھائی صاحب کو بعد از سلام کہیے گا کہ حضرت اپنے مطلب کو تو مجھ کو جلدی نہیں ہے ۔آپ کی تخفیف تصدیق چاہتا ہوں!۔یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو جائے ۔

منشی شیونرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی ادا کیجئے گا اور یہ کہیے گا کہ آپ کا خط پہنچا۔چونکہ میرے خط کا جواب تھا اور معہذا کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اس واسطے اس کا جواب نہیں لکھا۔زیادہ، زیادہ،

نگاشتہ ورواں واشتہ صبح شنبہ ۲ اکتوبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۵۶)

اللہ اللہ، ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ نا گاہ کل جو خط آیا معلوم ہوا کہ دو دن کول میں

۱؎ دیکھیے مرزا کس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ دیکھنے والے کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ خوشگوار بن جائے۔ یہ ہے حسن بیان کی ایک شان۔ ۲؎ سبحان اللہ

رہ کر سکندر آباد گئے ہو۔ وہاں سے تم نے خط لکھا ہے۔ دیکھیے اب یہاں کب تک رہو اور آگرہ، کب جاؤ پرسوں کی بر خوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے۔ اب قریب ہے کہ بھیجی جائیں۔ مرزا مہر بھی ایک ہفتہ بتاتے ہیں۔ دیکھیے کس دن کتابیں آ جائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔

ہاں صاحب۔ منشی بالمکند بے صبرا کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں کہ اس خط میں انھوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا۔ بس میں ان کے خط کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے میرا سلام کہہ دینا اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا حال تم خود دریافت کر ہی لوگے۔ میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت؟

چہار شنبہ سیوم نومبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۵۷)

کیوں صاحب، کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں۔ اگر یہ حکم ہوا ہوتا۔ تو یہاں تو اشتہار ہو جاتا کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جائے۔ بہر حال:

کس بشنود یا نشنود من گفتگو ے می کنم

کل جمعہ کے دن ۱۲، تاریخ نومبر کی تینتیس جلدیں۔ بھیجی ہوئی برخوردار شیو نرائن کی پہنچیں۔ کاغذ، خط تقطیع، سیاہی چھاپا سب خوب، دل خوش ہوا اور شیو نرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو مرزا حاتم علی صاحب کی تحویل میں ہیں وہ بھی یقین ہے کہ آجکل پہنچ جائیں۔ معلوم نہیں۔ منشی شیو نرائن نے اندور کے واسطے امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ہیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔

صاحب، تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رہو گے۔ آگرہ کب جاؤ گے۔

شنبہ ۱۳، نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب

غالب

(۵۸)

آج پنجشنبہ کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا اور آج ہی جواب لکھتا ہوں۔ کیا تماشا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا۔ میرے خط نہ پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی میں نے کتب کا پہنچنا تم کو لکھا تھا۔ اس کا تم نے ذکر نہ لکھا۔ صاحب تیئتیس کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں۔ سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ہوئیں

۱۔ بال مکند بے صبر پسر کاٹھو سنگھ یا کانجی مل۔ بھٹناگر کائستھ، تفتہ کا ہم وطن یعنی سکندر آباد کا باشندہ، پیدائش ۱۸۲۰ء وفات ۱۸۹۰ء فارسی اور سنسکرت کے علاوہ عربی بھی جانتا تھا۔ منطق و نجوم میں بھی خاصی دستگاہ تھی۔ سرکار انگریزی کے محکمہ مال میں منشی گری اور داروغگی کا منصب حاصل تھا۔ اس سلسلے میں دہلی میں رہا اور غالب سے براہ راست روابط پیدا ہوئے۔

موافق ان کی تحریر کے آج شام تک اور مطابق منشی شیو نرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائیں گی اور منشی شیو نرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی بھی اطلاع دی ہے۔

منشی نبی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ہیں۔ شاید میں تم کو خط لکھ چکا ہوں۔ میر قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہوا۔ یہ میرے بڑے دوست ہیں۔ دلی ان دنوں میں آئے تھے۔ مجھ سے مل گئے ہیں۔ ان کو ایک کتاب ضرور بھیج دینا۔

بھائی، میں ہرگز نہیں جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے منصف ہوں۔ کچھ ان کے خاندان کا حال اور ان کے والد کا نام لکھو تو میں کچھ غور کروں۔ ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں۔

پنجشنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء دوپہر

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۵۹)

برخوردار،

تمہارا خط پہنچا۔اصلاحی غزل کی رسید معلوم ہوئی۔مقطع اب اچھا ہو گیا رہنے دو،کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔زبان نہیں جو تعریف کروں شاہانہ آرائش ہے۔آفتاب کی سی نمائش ہے مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔اچھا میرے بھائی،اس کا حال جو تم کو معلوم ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔

رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔لڑکوں کی سی ضد نہ کرو اور اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو۔تم کو اختیار ہے یہ امر میرے خلاف رائے ہے۔

میر بادشاہ کی اور اپنی شناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں۔اب اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔کچھ ان کے خاندان کا نام ونشان و دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھ بھیجو تا کہ میں جانوں کہ یہ کس گروہ میں سے ہیں۔

میاں وہ رست دردغ برگردن راوی نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے۔واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے۔لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب و پیکار دے کر توقیع آزادی پاتے ہیں۔یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے؟

محررہ صبح شنبہ ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرزا تفتہ، تمہارا خط آیا۔ فقیر کو حقیر کا حال معلوم ہوا۔ خدا فضل کرے۔ اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے

---

۱ مطلب ہے کہ لوگ غدر لڑتے رہے تھے۔ وہ اب ہتھیار حکومت کے حوالے کر کے اطمینان سے گھروں میں بیٹھے جاتے ہیں۔ تاج گنج والوں سے مراد منشی نبی بخش حقیر ہیں جن پر کسی سلسلے میں مقدمہ چل گیا تھا یا وہ کسی مقدمے میں الجھ گئے تھے

تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے کہ میں ان کو لکھتا۔ لکھتے ہو کہ میرزا مہر کے دو چار روپے زائد صرف ہو گئے تو کیا اندیشہ ہے۔ حال یہ ہے کہ میں نے ان سے استفسار کیا تھا۔ انھوں نے مجھ کو لکھا کہ کتابوں کی درستی میں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں۔ محصول کے ایک رقم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ؟ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آیا ہے۔ البتہ ان کے دو تین روپے اٹھ گئے ہیں۔

لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص ۱ اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں۔ مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے وہ دیکھ کر ان کے حوالے کر دیں۔

ہنری اسٹورات ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے مصاحب ہیں۔ امن کے دنوں میں ایک ملاقات میری ان کی ہوئی تھی۔ میں نے اب ایک کتاب سادہ بے جلد ان کو بھیجی تھی۔ کل ان کا خط مجھ کو اس کتاب

کی رسید میں آیا۔ بہت تعریف لکھتے تھے۔ ہاں بھئی ایک تماشاہ اور ہے۔ مجھ کو لکھتے تھے کہ یہ دستنبو پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا۔ ان کے لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی۔ کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں۔ اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سیکرٹریوں کی نذر یہ پارسل ان شاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھوں، چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں۔ اور گورنر کیا فرماتے ہیں۔

تا نہال دوستی کے بر دہد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء

غالب

صاحب،

تمہارا خط آیا۔ میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔ امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ، ایک وہ ہیں کہ دو باران کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ایک اور پچاس جس میں جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے۔ نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے اس کو سمجھاؤ کہ میں تیرے بچوں کو پال دوں گا۔ تو کیوں بلا میں پھنستا ہے؟

وہ جو مصرع تم نے لکھا ہے وہ حکیم[2] سنائی کا ہے اور وہ نقل، حدیقہ میں مرقوم ہے

---

[1] اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ سکندر آباد کے ایک ہندو شاعر شاد کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس کا نام درج نہیں غالباً یہ وہی شخص ہو۔

---

[2] حکیم سنائی غزنوی اکابر صوفی شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم ما

ما از پس سنائی و عطار آمدیم

"حدیقۃ الحقیقیہ" ان کی سب سے مشہور اور متداول کتاب ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ یہ قطعہ ان کا ہے۔

پسرے طبا پدار بزاری گفت

کہ مرا یار شو بہ ہمرہ جفت

گفت بابا، زنا کن وزن نے

پنداز خلق گیرد از من نے
درزنا، گر بگیرد ت عسے
بہلد کو گرفت چوں تو بے
زن کنی ، ہر گزت رہا نہ کند
در تو بگذاریش ، چہا نہ کند

بس تو اب تم سکندر آباد میں رہے، کہیں اور کیوں جاؤ گے، بنک گھر کا روپیہ اٹھا چکے ہو۔ اب کہاں سے کھاؤ گے۔ میاں نہ میرے سمجھانے کو دخل ہے نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے۔ ایک چرخ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے۔ جو ہوتا ہے وہ ہوا جاتا ہے۔ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبدالقادر بیدل نے خوب کہا ہے۔

رغبت جاہ چہ و نفرت اسباب کدام
زیں ہوسہا بگذر یا مگذر ، مے گزرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید، نہ رنجور ہوں نہ تندرست نہ خوش ہوں نہ ناخوش، نہ مردہ ہوں۔ نہ زندہ جیے جاتا ہوں باتیں کیے جاتا ہوں۔ روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ پیے جاتا ہوں۔ جب موت آئے گی، مر رہوں گا نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت ہے۔ بارے جہاں رہو۔ جس طرح رہو۔ ہر ہفتے میں ایک بار خط لکھا کرو۔

یک شنبہ ۱۹ء دسمبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۶۲)

کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں، یعنی جس کا خط آیا۔ میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ وہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو، ایک دو شام کو، میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس دن بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہ آیا۔ یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

سوموار ۲۷ دسمبر ۱۸۵۸ء

غالب

دیکھو صاحب،

یہ باتیں ہم کو پسند نہیں۔ ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو اور مزا یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائے گا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔ لطف اس میں ہے کہ میں بھی سچا اور تم بھی سچے رہے۱

۱ مطلب یہ ہے کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۸ء کو خط اور یکم جنوری ۱۸۵۹ء کو جواب دے دیا۔ کاتب بھی سچا اور مکتوب الیہ بھی۔

آج تک رائے امید سنگھ یہیں ہیں اور اب نہیں جائیں گے تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ جس دن وہ آئے تھے۔ اسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے۔ میں بھول گیا اور اس خط میں تم کو نہ لکھا۔ صاحب، وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی مجلد مرزا تفتہ کے دیوان کے اور کئی نسخے تضمین اشعار گلستان کے ان کی خواہ کے بموجب، کوئی پارسی ہے بمبئی ہیں۔ اس کے پاس بھیج دیے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ایران کو ارسال کر دے گا۔ امید سنگھ نے اس پارسی کا نام بھی لیا تھا۔ میں بھول گیا۔ اب جو تم کو اس خیال میں مبتلا پایا تو ان کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ وہ بار ان کے گھر وں ج بھی گیا ہوں۔ مگر محلے کا نام نہیں جانتا۔ نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے۔ اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھ بھیجو گا۔

میر بادشاہ سے عندالملاقات میری دعا کہہ دینا۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ لکھنے کے قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا

تخلص کہ میں نے آگے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگاہ مجھ سے آ کر ملے اور تمہارا پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا کہ بخیر و عافیت سکندرآباد ہیں۔ جب میں نے ان سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں۔ انھوں نے کہا، صاحب وہ بزرگ اور استاد ہیں، میں ان کا شاگرد ہوں۔ کہیں مدرسے کے علاقے میں نوکر ہیں بسبیل ڈاک یہاں آئے تھے اور آج ہی بسبیل ڈاک انبالہ کو گئے۔ انبالہ ان کا وطن ہے اور نوکر بھی وہ اسی ضلع میں ہیں۔

نگاشتہ دوشنبہ ۲۴ جنوری ۱۸۵۹ء

غالب

صاحب،

میرٹھ سے آ کر تم کو خط لکھ چکا ہوں۔ شاید نہ پہنچا ہو۔ اس لیے از روے احتیاط لکھتا ہوں۔ کہ نواب مصطفیٰ خاں کے ملنے کو بہ سبیل ڈاک میرٹھ گیا اور رسد شنبہ کیدن[2] دلی آ گیا اور چہار شنبہ کے دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمہارا خط انکے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ ان کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فریاد کہ کسی اور مندر ہیں میں قصد اقامت نہیں ہے۔ نیا ایک تکیہ بنایا چاہتا ہوں۔[3] آدمی بندرابن گئے ہیں۔ کوئی مکان مول لیں گے۔ وہاں اپنی وضع پر رہوں گا۔ میرا سلام

---

[1] یعنی محکمہ تعلیمات [2] ۲۷ جنوری کو [3] مطلب یہ کہ اپنا مکان بنانا چاہتا ہوں۔

لکھنا اور یہ پیغام لکھنا کہ آپ کا کلام بمبئی تک پہنچ گیا۔ اب طہران کو بھی روانہ ہو جائے گا۔

سواد ہند گرفتی بہ نظم خود تفتہ
بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یک شنبہ سی ام۔ جنوری ۱۸۵۹

غالب

صاحب، تم اچھے خاصے عارف ہو اور تمہارا کشف سچا ہے میں راہ دیکھ رہا تھا کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں، کل تمہارا خط شام کو آیا۔ آج صبح کو جواب لکھا گیا۔ بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلے کا پتا ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں مگر فارسی، انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں۔ تلف نہیں ہوتے۔ بعض فارسی خط پر پتا محلے کا نہیں ہوتا۔ انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے۔ جانے ان کی بلا بلی ماروں کا محلّہ کیا چیز ہے۔ وہ تو بہ نسبت امیرے بہت بڑے آدمی ہیں۔ سیکڑوں خطوط انگریزی ہر روز ان کو آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں نے پھر ان کے پاس آدمی بھیجا اور آپ کا خط اپنے نام کا بھیج دیا۔ انھوں نے میرے آدمی کو کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں اس کا جواب کیا لکھوں، محلے کا پتا آپ ہی لکھ بھیجیے۔ سو میں پہلے امر واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں۔ انکے مکان کا پتا، بلی ماروں کا محلّہ، وسوں کا کوچہ۔

دستنبو، کا حال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات روپے کی ہنڈی بھیج کر بارہ جلدیں اور ایک جنتری ان سے منگوائی پھر ان کو اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں لکھنو کو انھیں کے ہاتھوں۔ وہیں سے بجھوائیں اور اس کے بعد پر اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بجھوا کر دو جلدیں وہیں سے سر دہنے کو بجھوائیں، غرضل اس تحریر سے یہ ہے کہ میں بعد میں اس پچاس جلد کے سوا ر جلدیں اور ان سے لے چکا ہوں مگر

نقد۔ ہرگز قرض میں نے نہیں منگوائی ہیں۔ ایک بار ہنڈوی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم سہل طور پر ان کو لکھ بھیجنا۔ کہ غالب نے کتنی منگوائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض اور جو وہ لکھیں مجھ کو لکھ بھیجنا۔

شنبہ ۱۹۔ فروری ۱۸۵۹ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

(۶۷)

صاحب،

تمہارا خط آیا، دل خوش ہوا۔ تمہاری تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ تم کو آگرہ سے کتابوں کا منگوانا بے ارسال قیمت منظور ہے، چنانچہ، حق تصنیف ہم نے لکھا ہے ، بھائی کیا میں تم کو جھوٹ لکھوں گا، اور شیونرائن نے اگر ارسال قیمت اک نہیں لکھا، یہ بھی تو نہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں، تم کو میرے سر کی قیمت اور میری جان کی قسم، شیونرائن سے اتنا پوچھو کہ اس پچاس جلد کے بعد کے جلدیں غالب نے اور منگوائیں اور قیمت بھیج کر منگوائیں یا قیمت اس سے لینی ہے؟ دیکھو

۱؎ امرا اور راجہ امید سنگھ ہیں جیسا کہ اگلے خط سے صاف واضح ہے، نامور کے واسطے محلے کا پتا ضرور نہیں۔ راجہ امید سنگھ ہی کے لیے لکھا تھا۔ ۲؎ سرسری طور پر۔

میں نے قسم لکھی ہے۔ یوں ہی عمل میں لانا۔

راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی جو تمہارے خط کا ذکر آتا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور جو تم نے مجھ کو لکھا تھا کہ اگر دسون کا کوچہ نہ ملے گا تو وہ خط تیرے پاس آئے گا۔ سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب تم کو وہم کیوں ہے۔؟ ایک امیر نامور آدمی ہے۔ اس کے نام کے خط کیوں نہ پہنچے گا؟

غالب

(۶۸)

اجی مرزا تفتہ،

بھائی منشی نبی بخش صاحب کوتمہارے حال کی بڑی پرسش ہے۔تم نے ان کو خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے؟وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ اگر آپ کو مرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھیے گا۔

یک شنبہ ۲۷۔فروری ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۹)

کیوں مرزا تفتہ، تم بے وفا یا میں گنہ گار؟ یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں تم کہاں ہو۔ ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمہارا ذکر درمیان میں آیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندر آباد۔ اگر کول بھیجوں تو مسکن کا پتا کیوں لکھوں۔ بہ ہر حال سکندر آباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے، تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتا بتا کر وہاں بھجوا دیا۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں ہو کہ وہ متھرا اور اکبر آباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہ ہر حال اس خط کا جواب جلد اور ضرور لکھو۔

بھائی، تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو، مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھ کو تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔

محررہ یک شنبہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۹)

کیوں میرزا تفتہ، تم بے وفا یا میں گنہ گار؟ یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو۔ ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمہارا ذکر درمیان میں آیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندرآباد۔ اگر کال بھیجوں تو مسکن کا پتا کیا لکھوں۔ بہ ہر حال سکندرآباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتا بتا کر وہاں بھجوا دیا۔ یقین ہے ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں کہ وہ متھرا اور اکبرآباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہر حال اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔

بھائی، تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو۔ مجھ کو لکھ بھیجا کرو میں وہاں جاتا ہوں یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھ کو تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔

محررہ یک شنبہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء

غالب

(۷۰)

صاحب،

تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دو پہر کو جواب لکھتا ہوں۔ تمہاری ناسازگاری طبیعت سن کر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست اور خوش رکھے اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے جس میں حکایت طالب علم اور سناء کی تھی۔ واقعہ بلند شہر کا

ا تقریبا کا مطلب یہاں ''قریب'' نہیں بلکہ بر سبیل ذکر'' ہے

اور وہ اوراق میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے، خط میں لپیٹ کر، چونکہ خط ڈیل تھا۔ اور ٹکٹ لگا کر ارسال کیے ہیں۔ رسید ملے تو اس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے۔ قیاس یں ایسا جانتا ہوں کہ پان سات دن ہوئے ہوں گے۔

منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں آیا۔ گھر ان کا تاج گنج، وہ خود مع بعض متعلقین آگرہ۔ ایک بار تاج گنج کے پتے سے خط کو بھیجا تھا۔ جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شیو نرائن سے ان کا حال پوچھوں گا۔ تم باہمہ کمالات خفقانی بھی ہو۔ رائے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو، جب آگرہ جاؤ گے اور وہ وہاں ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ از روے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرہ یا بندار بن کبھی کہیں سے ان کا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گنہ گار۔

یک شنبہ سیوم زی القعد ز ۱۲۷۵ھ پنجم
جون سال حال ۱۸۵۹ء غالب

(۷۱)

صاحب،

ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہو۔ وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے تمہارا حال سن کر مجھ کو رنج ہوا۔ کیا کروں۔ نہ اپنے رنج کا چارہ کرسکتا ہوں۔ نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں۔

ہر آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

آج چوتھا دن ہے یعنی منگل کے دن کوئی سپہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ راجا امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو، فرمایا کہ آگرہ سے آتا ہوں۔ بسا دن کی گلی میں جو حکیموں کی گلی کے قریب ہے جو دس صاحب کی کوٹھی انھوں نے مول لی ہے اور اس کے قریب کی زمین افتادہ بھی خریدی ہے۔ اور اس کو بنوا رہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں او لکھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے، جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط ان کا آیا تھا۔ اس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر ان کو کوئی خط نہیں آیا۔

بہ ہر حال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں باز دید کو نہیں گیا۔ شاید آج وہ گئے ہوں یا جاویں۔ پھر اکبرآباد کو جائینگے۔ میں آج آدمی ان کے پاس بھیجوں گا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا تم کو بہت پوچھتے تھے کہ آیا میرزا تفتہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ بھائی انکو خط لکھ بھیجو۔

محررہ ۱۷ جون ۱۸۵۹ء

غالب

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۷۲)

صاحب،

ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اس میں مندرج تھا کہ میرٹھ جاؤں گا۔ آج صبح کو ایک خط آیا۔ اس میں مندرج تھا کہ پہلی جولائی کو جاؤنگا اور تجھ سے ملتا جاؤں گا۔ پرسوں کا خط میں بھی اور آج میں بھی پارسل کا ذکر تھا ۲۰ جون کو ہم نے بھیجا ہے۔ بیسیوں جون کو آج دسواں دن ہے۔ اس دس دن میں کوئی پارسل، کوئی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخری پمفلٹ پاکٹ دو مثنویوں کا وہ تھا، جس میں ایک مثنوی بلند شہر کے واقعے کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا۔ اس کی ارتھی چھلکتی رہی۔ اس کا عاشق سامنے کھڑا جلتا رہا۔ سو ان دونوں مثنویوں کو میں نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیج دیا بلکہ یوں یاد پڑتا ہے کہ تم نے اس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے۔ لیکن مجھ کو گمان ہے کہ یہ امر ۲۰ جون سے آگے کا ہے۔ بہر تقدیر، بعد اس پارسل کے کوئی نہ پہنچے۔ میں ناچار ہوں۔ بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر قرض ہے۔ یا تو وہ نہ پہنچا یا تم نے اس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا۔ وہ خط جس میں میر بادشاہ کا دلی آ آ اور ان کا مجھ سے ملنا اور تمہارا ذکر مجھ میں اور ان میں ہونا معہذا راجا امید سنگھ کا دلی آنا اور بے خبر میرے گھر آ جانا اور تمہارا ان سے ذکر ہوتا اور ان کا یہ کہنا کہ ان کا کل ایک خط میرے پاس آیا تھا۔ سو میں نے اس کا جواب لکھ بھیجا تھا۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچایا۔ تمہارا وہ پارسل جس کو تم مانگتے ہو میرے پاس ہرگز نہیں آیا۔

چہارشنبہ ۲۹ جون ۱۸۵۹ء وقت خیروز

غالب

میاں!

تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام اچھا نہیں، میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم وقدر دان نہ ہوگا، مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو۔ اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا؂ کے علم کو اور نظیری؂ کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے۔ اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری ،سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بان تو کیا؟ دنیا میں نامور ہوئے تو کیا اور گمنام جئے تو کیا؟ کچھ وجہ معاش ہو اور صحت جسمانی، باقی سب وہم ہے اے یار جانی؂ ہر چند وہ بھی وہم ہے۔ مگر میں ابھی اسی پایے پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھا جائے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں، عالم بیرنگی میں گزر پاؤں۔ جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتا نہیں۔ کر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہے۔ اور جس سے جو معاملہ ہے اس کو ویسا ہی برت رہا ہوں۔ لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب ہے ہستی نہیں پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہیں گے۔ انکو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہم تم کو ہوگا؟

قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں؟ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

"خالق معنی المعنی معنی آفریں، صحیح اور مسلم اور جائز، لیکن جس طرح اللہ میں، مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام

املا حظہ ہو خط نمبر ۱۷ مرقومہ ۱۷ جون ۱۸۵۹ء ۲ بوعلی سینا مشہور حکیم وطبیب ۔ ۳ فارسی کا مشہور شاعر جو نیشا پور کا رہنے والا تھا اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا اور خان خاناں کے ساتھ وابستہ ہو گیا ۔ احمد آباد گجرات میں متوطن ہو گیا تھا ۔ وہیں جہانگیر کے عہد میں فوت ہوا ۔ ۴ یہ لطیفہ بازیاں ہیں ۔

قرار دیا ہے الہ اور الٰہی میں الف ممدوہ کو دوسرا الف کیوں کر سمجھیں؟ قیاس کا نام نہیں آتا، اتفاق سلف شرط ہے ۔ جب اور کسی نے الٰہی میں دو الف نہیں مانے تو ہم کیوں کر مانیں ۔

دویم بروزن جویم غلط دوم ہے بغیر تحتانی، بالفرض تحتانی بھی لکھیں گے تو دیم پڑھیں گے ۔ اگر چہ لکھیں گے دویم، واو کا اعلان ٹکسال باہر ہے ۔ ہاں دومی درست ہے ۔ مگر نہ بہ حذف تحتانی مثل زمی بہ حذب نون زمین بلکہ بطریق قلب بعض دویم کا دومی ہو گیا ۔ کنوے کی تاریخ کو بے تامل بھیج دو ۔ اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو، کس واسطے کہ جب الٰہی میں سے اے ک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائے گا ۔

والدعا

روز ورود نامہ بعد خواندن نوشتہ شد ۔ یک شنبہ

از غالب

(۷۴)

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا، میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا:

بہ ہند آمدندے، زے ایراں دیار

آمدند کی جگہ آمدندے بصیغہ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہوا۔

رسیدند در ہند ز ایراں دیار

اس کی جگہ لکھ دیا۔ واقعی۔ پوستین کا بیچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند ور ہند بیجا تمہارا تصرف مستحسن۔ جس طرح تم نے لکھا ہے اسی طرح رہنے دو۔

صاحب، سنبلستان سے کیوں گھبرائے ہو۔ میں تمہارے گھبرائے سے گھبراتا ہوں۔ رخ کو گل زلف کو سن بلہ فرض کرتے ہیں۔ سنبلستان میں کیا عیب ہے اور اگر پسند نہیں تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ اس وقت تک کہ اکتوبر کی آٹھویں، ہفتے کا دن تیسرے پہر کا وقت ہے میر قاسم علی صاح تشریف لائے، ہارس کے مصنف اور دلی کے نا منصف ہیں۔

روز شنبہ، ہشتم اکتوبر ۱۸۵۹ء آخر روز

غالب

صاحب،

تمہارا خط آیا، حال معلوم ہوا:

جہانیاں ز تو برگشتہ اند اگر غالب

ترا چہ باک خدائے کہ داشتی داری

خدا کے واسطے میرے بارے میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے۔ بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جو بات مشہور ہے وہ محض غلط ہاں مرزا الٰہی بخش [1] جو شہزادوں میں ہیں۔ان کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں دیکھیے

[1] مرزا الٰہی بخش غدر میں برابر انگریزوں کے ساتھ رہا۔ اسی نے بہادر شاہ کو قید کرایا تھا ۔انگریزوں نے اسے رئیس خاندان بنانے کا چکمہ دیا تھا ۔ جب کام نکل گیا تو صرف پنشن دے کر بٹھا دیا۔

گیا ہوا، حکیم جی کو ان کی حویلیاں مل گئی ہیں ۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں ۔اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں ۔

رہا میں:

تو بیکسی و غریبی ترا کہ می پرسد

نہ جزا نہ سزا، نہ نفریں، نہ آفریں نہ عدل نہ ظلم، نہ لطف نہ قہر پندرہ دن پہلے تک دن کو روٹی، رات کو شراب ملتی تھی ۔ اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔شراب نہیں ۔ کپڑا ایام تغم کا بنا ہوا بھی ہے اس کی فکر کچھ نہیں ہے۔مگر تم کو میرے سر کی قسم ۔ یہ لکھ

بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی۔ مجھے اس کے معلوم ہونے سے مزا ملے گا۔

شنبہ ۵۔ نومبر ۱۸۵۹ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۷۶)

میری جان!

کیا سمجھے ہو، سب مخلوقات تفتہ و غالب کیوں کر بن جائیں۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند

انت متا سو متا، مصری میٹھی، نمک سلونا۔ کبھی کسی شے کا مزہ نہ بدلے گا۔ اب جو میں اس شخص کو نصیحت کروں وہ کیا نہ سمجھے گا کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمٰن کون ہے اور مجھ سے اس سے کیا رسم و راہ ہے۔ بے شبہ جانے گا کہ تفتہ نے لکھا ہوگا۔ میں اس کی نظر میں سبک ہو جاؤں گا اور تم سے وہ اور بھی سرگراں ہو جائے گا اور یہ جو تم لکھتے ہو کہ تو نے اس شخص کو اپنے عزیزوں میں گنا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم کو مسلمان یا ہندو یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں۔ اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے باقی رہی وہ عزیزداری جس کو اہل دنیا قرابت کہتے ہیں:۔ اسکو قوم او رذات اور مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مراتب و مدارج ہے۔ نظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھ تو اس شخص سے خس برابر علاقہ عزیزداری کا نہیں۔ ازراہ حسن اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا کہہ دیا تو کیا ہوتا ہے۔ زین العابدین خاں عارف میری سالی کا بیٹا، یہ شخص اس کی سالی کا بیٹا۔ اس کی جو چاہو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے آدمیت نہ ہوئی تو اب اس کو لکھنا لغو بے فائدہ، بلکہ مضر ہے۔

تمہارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفیٰ خاں سے ملنا پہلے ہی دریافت کر چکے ہیں۔ اب تمہارے خط سے مراد آباد ہو کر سکندر آباد آنا معلوم ہو گیا۔ حق تعالیٰ شائد تم کو

خوش و خرم رکھے۔

مرقومہ جمعہ ۲۳۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

غالب

بھائی،

میں نے دلی کو چھوڑا اور رام پور کو چلا، پنجشنبہ ۱۹، کو امرادنگر اور جمعہ ۲۰ کو میرٹھ پہنچا۔ ۲۱۔ کو بھائی مصطفیٰ خاں کے

آخری نتیجہ ہی درست ہوتا ہے یعنی کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

کہنے سے مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ کر بھیجا۔ کل شاہجہانپور، پرسوگڑھ مکتیشر رہونگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہوا رام پور جاؤنگا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو۔ رام پور بھیجنا۔ سرنامے پر رام پور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا ہے۔ وہ رام پور سے لکھوں گا۔

مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱ جنوری ۱۸۶۰ء

راقم غالب

(۷۸)

صاحب،

تمہارے یہ اوراق سکندر آباد سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچے۔ رام پور سے میرے بھیجے ہوئے سکندر آباد۔ یقین ہے کہ سوائے ایک مصرع کے مجھے اور جگہ کی اصلاح یاد نہیں تم جو اپنے فرزند کو نا شناسائے مزاج روزگار کہتے ہو۔ خود اس میں اس سے کیا کم ہو؟ پہلے تو یہ بتاؤ کہ رامپور میں مجھے کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیہ الزماں صاحب۔ کہاں میں ان کا مسکن میرے مسکن سے دور، پھر دولت رئیس کہاں اور میں کہاں، چار دن والی شہر نے اپنی کوٹھی میں اتارا۔ میں نے مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر مجھ کو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کے پاس ہے۔ ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہے۔ برابر دلی سے خط چلے آتے ہیں صرف رام پور کا نام اور میرا نام، محلے کی اور عرف کی حاجت نہیں، بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کے نشان سے شاید خط تلف ہو جائے۔ دوسری بات جو تم نے لکھی ہے وہ بھی مطابق واقع و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی تو تم کو بلا لوں گا۔

۱۸۶۰ء غالب۱۲

(۷۹)

میری جان!

آخر لڑکے ہو، بات کو نہ سمجھے۔ اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں، میں نے یہ لکھا ہے کہ بشرط اوقات بلا لوں گا اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری، تو بے تمہارے نہ رہوں گا نہ رہوں گا۔ زنہار نہ رہوں گا۔ منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا۔ تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے اور اگر دلی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر ان کے اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کی بار مہینے بھر کا صبر چاہیے وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ از بسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی۔ تم اسی رقعے کو ان کے پاس بھیج دینا۔

شنبہ ۱۴ فروری ۱۸۶۰

غالب

(۸۰)

برخوردار سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ!

اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں۔ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مرادآباد اور وہاں سے رام پور آئیں گے۔بعد ان کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہرے گا۔منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہوا تو فوراً تم کو بلالوں گا۔جو دن زندگی کے باقی ہیں وہ باہم بسر ہو جائیں گے۔والدعا

راقم

یکم مارچ ۱۸۶۰ء

غالب

میرزا تفتہ،

اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے، بھائی ''تضمین گلستان'' چھپوا کر کیا فائدہ اٹھایا جو انطباع ''سنبلستان'' سے نفع اٹھاؤ گے۔ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگرچہ قلیل ہو اور اگر روپیہ لینا منظور ہے تو ہرگز نہ کرو اور درخواست دے دو۔ بعد نو مہینے کے روپیہ تم کو مل جائے گا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو ہوتے ہوتے اس کو مدت چاہیے۔ رستخیز بیجا ہو چکا۔ اب ہو تو ستخیر ہو یعنی قیامت اور اس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی رستخیز کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں۔ احتمال فتنہ سال آیندہ پر رہا، سو بھی موہوم ہے۔

میاں، میں جو آخری جنوری کو رام پور جا کر آخر مارچ کو یہاں آ گیا ہوں۔ تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کچھ کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ شخص والی رام پور کا استاد تھا اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ ہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو گئے تھے مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے۔ کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپے مہینا کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رام پور آئے۔ اور ان کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو جوب دو۔ نواب صاحب نے برطرف کر دیا۔ یہ تو سب سن لیا۔ اب تم اصل حقیقت

سنو۔ نواب یوسف علی خاں بہادر تیس بتیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے ب۔ اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینا ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا۔ دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینا یہاں رہوں، وہاں رہوں، خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۰ء غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مرزا تفتہ!

ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجبِ مفرط کے موجب نشاطِ مفرط[۳] ہوگا۔ میں اجرائے پنسن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بارے وہ نقشہ پنسن داروں کا جو یہاں سے بن کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا

---

[۱] یعنی غدر غالب نے اس کی تاریخ رستخیز بیجا، نکالی تھی۔ [۲] یعنی ۱۲۷۶ھ، ۱۲۷۷ھ آیندہ سال ہوگی۔ اگر قیامت اس عدد کے مطابق آئی تو اگلے برس آئے گی۔ [۳] یعنی تعجب بھی زیادہ ہوگی اور خوشی بھی زیادہ۔

کہ یہ شخص پنسن پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میرے پنسن کے اجراء کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا۔ میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ ماہ آیندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہیے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔

۱۶، اپریل ۱۸۶۰ء غالب

(۸۳)

بھائی، آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔ زرِ سہ سالہ مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے۔ سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے۔ سو روپے مجھے مدد خرچ ملے تھے۔ وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو متفرقات میں گئے۔ رہے دو ہزار روپے۔ میرا مختار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرض دارِ قدیم ہوں۔ اب وہ دو ہزار روپے لایا۔ اس نے اپنے پاس رکھ لیے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجیے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کروایا گیا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ چھبیس سو ہوئے۔ اصل میں یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا۔ وہ کہتا ہے پندرہ سو میرے دے دو۔ پانسو سات روپے باقی کے تم لے لو۔ میں کہتا ہوں۔ متفرقات گیارہ سو چکا دے۔ نو سو باقی رہے، آدھے تو لے لے۔ آدھے مجھ کو دے دو۔ پرسوں اچوتھی کو وہ روپے لایا ہے کل تک قصہ نہیں چکا۔ میں جلدی نہیں کرتا۔ دو ایک مہاجن بیچ میں ہیں۔ ہفتے میں جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔ خدا کرے یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ۔ اسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعد کی خبر دینا ۔ والدعا۔

شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ء ہنگام نیمروز

غالب

برخوردار میرزا تفتہ!

دوسرا مسودہ بھی پہنچا۔ تم سچے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آ گیا کہ پنسن داران قدیم ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دو بار بطریق ششماہہ فصل بفصل پایا کریں۔ ناچار ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا رام پور کی آمد میں مل کر صرف ہو۔ یہ سود چھ مہینے تک اسی طرح کٹواں دینا پڑے گا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جا ئیگی۔

رسم ہے مردے کی چھماہی[2] ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات
اور چھماہی ہو سال میں دو بار

دس بارہ برس سے اس تکنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا گیا۔ اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپے یک مشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈال جس نے لیا ہے اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کر دو۔

---

[1] ۴ مئی ۱۸۶۰ء [2] چھ مہینے

مکان کہیں ملے تو اٹھوں، بے درد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی۔ وہ صحن بالا خانے کا جس کا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول ہے۔ اس میں پاڑ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سویا۔ گرمی کی شدت، پاڑ کا قرب، گمان یہ گزرتا تھا کہ کٹکر ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزریں۔ دوشنبہ ۹ جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آ گیا وہاں جا رہا۔ جان بچ گئی۔ یہ مکان بہ نسبت اس مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلّہ وہی بلی ماروں کا۔ اگرچہ ہے یوں کہ میں اگر اور محلّہ

میں جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتے یعنی اب اکثر خطوط، لال کنوے۔ کے پتے سے آتے ہیں۔ اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہ ہر حال تم وہی دلی، بلی ماروں کا محلّہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ درپیش ہیں وہ ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کیے جائیں گے، خاطر عاطر جمع رہے۔

صبح جمعہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۰ء

غالب

(۷۵)

میرزا تفتہ:

کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا۔ آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں، اور اسی خط کے ساتھ موسومہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دو دن مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں کے تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہ ہر حال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔ منشی قمر الدین خاں صاحب نے ناپسند کیا، قطعہ یہ ہے:

شیخ نبی بخش کہ باحسن خلق
داشت مذاق سخن و فہم تیز
سال وفاتش ز پے یادگار
با دل زار وہ مژۃ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر
گفت مدہ طول و بگو رستخیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے۔ جیسا کہ یہ مصرع:

در سال غرس ہر آنکہ ماند بیند

انوری کے قصائد کو دیکھو۔ دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں

جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں او معنی کچھ نہیں ہوتے۔ لفظ رستخیز'' کیا معنی دار لفظ ہے اور پھر واقعہ کے مناسب، اگر تاریخ ولادت

۱فارسی کا مشہور شاعر اواحد الدین نوری جسے مدت تک یکے از سہ پیمبران شعر فارسی قرار دیتے رہے

در	شعر	سہ	کس	پیمبرا نند
ہر	چند	کہ	لا نبی	بعدی
ابیات	و	قصیدہ	و	غزل را
فردوسی	و	انوری	و	سعدی
وفات		۵۸۰ھ،		۱۱۸۴ء

یا تاریخ شادی میں یہ لفظ تو بے شبہ نا مستحسن تھا۔ قصہ اگر تاریخ فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کر چکا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

صبح دو شنبہ پنجم جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ

نوزوہم نومبر سال حال (۱۸۶۰) غالب

(۸۶)

صاحب،

تمہارا خط میرٹھ سے آیا۔ مرآۃ الصحائف، کا تماشا دیکھا۔ سنبلستان، کا چھاپا خدتم کو مبارک کرے اور خدا ہی تمہاری آبرو نگہبان رہے۔ بہت گزر گئی ہے تھوڑی رہی۔ اچھی گزری، اچھی گزر جائے گی۔ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے ہاتھ کیا آیا۔ جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہو گا؟ سعدی نے بوستان سے کیا پھل پایا جو تم سنبلستان سے پاؤ گے اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے۔ نہ سخن ہے نہ سخنور ہے۔ نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے۔۔ لا موجود الا اللہ۔

جناب بھائی صاحب مصطفیٰ خاں بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا ہمشیرہ کے پنسن کا جاری ہونا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور زیادہ تعجب کی بات بروے کار آوے، یعنی آپ کا پنسن بھی واگزاشت ہو جاوے۔ اللہ۔ اللہ، اللہ!

صبح ایک شنبہ ۲۰ جنوری (۱۸۶۱)

غالب

(۸۷)

اجی مرزا تفتہ!

تم نے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبویا۔ ہائے کیا بری کاپی ہے۔ اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ تم یہاں اور بیگمات قلعہ کو پھرے چلتے دیکھیے۔ صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے۔ پائنچے لیر لیر، جوتی ٹوٹی، یہ مبالغہ نہیں بلکہ بے تکلف سنبلستان ایک معشوق خوبرو ہے۔ بدلباس ہے بہ ہر حال دونوں لڑکوں کے کو دونوں جلدیں دے دیں اور معلم کو حکم دیا کہ اس کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔

مرقومہ سہ شنبہ ۹۔ ماہ اپریل ۱۸۶۱ء

غالب

میاں مرزا تفتہ!

ہزار آفرین کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور۔ تسلسل معنی۔ سلاست الفاظ ایک مصرع مے تم کو محمد اسحاق شوکت[۲] بخاری سے توارد ہوا۔ یہ بھی محل فخر و شرف ہے۔ کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے۔ وہ مصرع

[۱] نواب مصطفیٰ خاں کی ہمشیرہ۔ [۲] نواب مصطفیٰ خاں [۳] باقر علی اور حسین علی۔ [۴] فارسی کا درویش منش اور خوددار شاعر محمد اسحاق بخاری

یہ ہے۔

چاک گر دیدم و از جیب بداماں رفتم

پہلا مصرع تمہارا اگر اس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا[۱]۔ خدا کوا تنا جلائے کہ ایک دیوان بیس جز و قصائد کا کہہ لو۔ مگر خبر دار قصائد بقیہ حروف تہجی نہ جمع کرنا۔

صاحب، مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ لکھا ہے۔ سابق کا تمہارا لکھا ہوا سب یاد ہے میں نے اس کو، دوست بطریق طنز لکھا ہے۔ بہر حال وہ جو میں نے خاقانی[۲] کا شعر لکھا اس کو بھیجا۔ اس کی ماں مرے۔ اگر میرے اس خط کا جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا۔ داغ کہنہ حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ[۳] کے پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر[۴] کے پاس گزرا اور جس دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم

ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ مظفر الدولہ مرحوم لکھنو سے آئے۔ انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا۔ اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ ؔ کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو کہ میرے قصیدے پر کیا گزری۔ انھوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار ملے، تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے۔، دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہیں بھیجا؛ ہو تو مجھ کو لکھو۔ میں نے لکھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے۔ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو۔ اس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گزرا۔ مگر یہ میں نے نہیں جانا کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ ناسخ ہوں۔ اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیج دونگا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا۔ تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں۔ اور ناسخ کیا کرے؟

دوشنبہ ۱۹، اگست ۱۸۶۱ء

غالب

مرزا تفتہ صاحب، اس قصیدے کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ ''خنجر را'' ''گوہر'' کو تم نے از قسم تنافر سمجھا اور اس پر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ خدشہ نہیں پیدا ہوتا۔ مگر لڑکوں کے اور مبتدیوں کے

---

[۱] خوبی کلام کا کمال دیکھیے کہ کہنا یہ چاہتے تھے۔ پہلا مصرع شوکت کے مصرعے سے اچھا نہیں، مگر مکتوب الیہ کے پاس خاطر سے انداز ایسا اختیار کیا کہ اسے ناخوشگوار نہ لگے۔ [۲] افضل الدین خاقانی شروانی وفات ۵۸۹، ۱۱۹۳ مدفن تبریز۔ [۳] وزیر اعظم سلطنت اودھ در عہد نصیر الدین حیدر۔ [۴] فرمانروائے اودھ غازی الدین حیدر کا بیٹا اور سعادت علی خاں کا پوتا۔ [۵] شیخ امام بخش ناسخ اردو کے مشہور شاعر تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ اصلاً پنجابی تھے۔ عمر لکھنؤ میں گزاری، ۱۲۵۱ء (۱۸۳۸ء) میں وفات پائی۔

دل میں سلیم [۱]۔

شراب نقل نخواہد بگیر ساغر را
کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را

یہ غزل شاہجہاں کے عہد کی طرح ہے۔ صائب [۲] و قدسی [۳] و شعرائے ہند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں اڑا دو۔ ضیاالدین احمد خاں۔ ''نام ہے ہندی میں رخشاں تخلص، فارسی میں نیر تخلص۔

ہمانا نیر رخشاں ضیاء الدین احمد خاں

دیکھوتو کیا پاکیزہ مصرع ہے۔ یہ نہ کہنا جو شعرا ممدوح کا نام ننگا لکھ جاتے ہیں وہ بحسب ضرورت شعر ہے۔ جس بحر میں پورا نام نہ آئے۔ اس میں شوق سے نہ لکھو۔ جائز، روا، مستحسن جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے۔ اس میں فرد گزاشت کیوں کرو؟

دوشنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006 www.iqbal.com.pk

صاحب،

قصیدے پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا۔ آفریں ہے۔ استاد کے شعر کی تضمین کیوں کرتے ہو؟ نہ اس کی کچھ حاجت نہ اس میں کوئی افزائش حسن۔ تمہارے ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھ دیا ہے۔ تاکہ مقطع کلام ہو جائے۔ پہلا قصیدہ تمہارا بر آوردم، در آوردم، کی ردیف کا سست ہے۔ اس کو ہم نے نامنظور کیا۔ مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہوں گے وہ شعر تم کو لکھ کر بھیج دیں گے۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں تاکہ آئندہ اس پالغزش سے احتراز کرو۔

نور سعادت از جبۂ ، قاصدم چکد

یہ کیا ترکیب ہے جبہہ بروزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہنوز ہیں۔ جبۂ قاصد ایک ہائے ہنوز کہاں گئی۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں

چشمہ کی جگہ چشمہ لکھتے ہو، یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے۔ اتنے بڑے مشتاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے

میاں:

برگ دنیا نہ ساز و نیش بود

یہ کوئی لغت نہیں، ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے۔ یہ طرز تحریر ہے۔ کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا

کہاں کا فارسی دان اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح بیت بحثی

۱۔ میرزا محمد قلی سلیم فارسی کا مشہور شاعر بہ عہد شاہجہان کشمیر میں وفات پائی ۱۰۵۷ء ۲۔ مرزا محمد علی صائب معروف ایرانی شاعر ہندوستان بھی آیا۔ کشمیر میں بھی رہا۔ اصفہان میں وفات پائی ۱۰۸۹ء۔ ۳۔ حاجی محمد جان قدسی۔ مشہدی عہد شاہجہان کا ایرانی شاعر وفات لاہور میں ۱۰۵۰۔ ۴۔ لفظی معنی پاؤں پھسلنے کی جگہ مراد ہے لغزش۔

کروں۔ دو جوتیاں آپ لگا دیں، ایک جوتی تم سے لگوا دی۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔

میں برہان قاطع کا خاکہ اڑا رہا ہوں۔ چار شربت ۳ اور غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں۔ ایسے گم نام چھوکروں سے ہے۔ اب اس کے چھاپے کی فکر ہے اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دوں گا۔ ورنہ کاتب نقل کروا کر قامی ایک جلد بھیج دونگا بہت سود مند نسخہ ہے۔''

اس قصیدہ متبرکہ کو موافق اصلاح کے۔ اس کاغذ سے اور کاغذ پر نقل کرکے اور جو مطالب کہ اس کاغذ پر مرقوم ہیں۔ انکو حافظہ کے سپرد کر کے۔ اس ورق کو پھاڑ ڈالو اور اس قصیدے پر ناز کیا کرو۔ یہ قصیدہ تمہارا ہم کو بہت پسند آیا ہے۔

جمعہ ۴، ۱۷ اکتوبر ۱۸۶۱ء

غالب

صاحب،

یہ قصیدہ تم نے بہت خوب لکھا ہے حق تعالیٰ اس کا تمہیں صلہ دے۔نواب مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں سے قصیدے کی رسید آ گئی۔یقین ہے کہ تم کو بھی وہ خط لکھیں۔دریں ولا آیا چاہتے ہیں اور مجھ کو یہ لکھا تھا کہ قصیدہ پہنچا۔کیا کہنا ہے۔ایسا ہے اور ایسا ہے میں چند روز میں وہاں آتا ہوں۔عند الملاقات اس قصیدے کے باب میں باتیں ہوں گی۔ضیاء الدین خاں صاحب کا بھی مقدمہ آج کل فیصل ہوا چاہتا ہے۔[۱] وہ قصیدہ جو میرے پاس امانت ہے۔ان کو یاد جائیگا۔

ان شاء اللہ العلی العظیم

از من فراغل برد بریدم من از فراغ

”بریدم من از فراغ یعنی قطع نظر کردم از فراغ و نومیدن شدم از فراغ۔“

غالب

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کسی نے غالب کے اس مصرع پر اعتراض کیا تھا جو مثنوی باد مخالف میں ہے۔[۲] برہان قاطع جو فارسی لغت کی مشہور کتاب ہے۔[۳] چار شربت میرزا محمد حسن قتیل کی تصنیف اور غیاث اللغات ملا غیاث رام پوری کی۔[۴] اس سے اشارہ غالباً اس مقدمے کی طرف ہے جو نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں میں لوہارو کے انتظام کے متعلق اکتوبر ۱۸۴۸ء میں شروع ہو گیا تھا۔پہلے فیصلہ ہوا کہ ضیاء الدین احمد خاں انتظام میں دخل نہیں دے سکتا۔صرف حصے کا

روپیہ لینے کا حق دار ہے پھر ضیاء الدین احمد خاں کی ایک درخواست اس بنا پر رد ہو گئی کہ اس کا لب و لہجہ مناسب نہ تھا۔ اس کے بعد ضیاء الدین احمد خاں کی درخواست پر یہ حکم صادر ہوا کہ اسے بارہ ہزار روپے کی بجائے اٹھارہ ہزار روپے سالانہ ملیں۔ اس کے خلاف امین الدین احمد خان نے درخواست دے دی جو کورٹ آف ڈائرکٹر میں بھیجی گئی۔ یہ مسترد ہو گئی اور پہلا فیصلہ بحال ہوا۔ تیسرے مرحلہ پر مقررہ رقم کی ادا کاری کے بارے میں مقدمہ چلا۔ آخر کار بقیہ رقم کے متعلق ضیاء الدین احمد خاں نے دعوی دائر کر دیا۔ غالباً یہی مقدمہ تھا جس کا ذکر میرزا نے کیا ہے۔

تم کو معلوم رہے کہ ایک ممدوح تمہارے یہاں آئے ہیں؟ ان کو میں نے تمہاری فکر اور تلاش کا مداح پایا۔ جنوری ۱۸۶۲ء میں کچھ تمہاری خدمت میں بھیجیں گے۔ تم کو قبول کرنا ہوگا۔ یعنی نواب مصطفیٰ خاں ک صاحب اور دوسرے ممدوح یعنی نواب ضیاءالدین خاں۔ وہ آخر دسمبر ۱۸۶۱ء میں یا اوائل جنوری ۱۸۶۲ء میں حاضر ہوں گے۔

غالب

Iqbal Cyber Library .net All rights reserved. ©2002-2006 اقبال اکادمی

بھائی،

”ریمیا“ وہیمیا خرافات ہے۔ اگر انکی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون او ربو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے کیمیا اور سیمیا وہ علم شریف ہیں جو اشیاء کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو اسماء سے متعلق ہو۔ وہ سیمیا

جاں　　غم　　سیمیا،　　نخورد　　گہے

دل　　سوے　　کیمیا　　نیاوردم

شعر بامعنی ہوگیا۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو کچھ لکھے گئے ہیں وہ حق ہے۔ کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے، زمان وزمانہ کو میں پاگل ہوں جو غلط کہوں گا؟ ہزار جگہ میں نے نظم ونثر میں، زمان وزمانہ لکھا ہوگا۔

وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا؟ سمجھو، پہلا مصرع لغو دوسرے مصرع میں نہر وکا فاعل معدوم حلقہ زار کی زے پر نقطہ نہ تھا، میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ حلقہ را درست نہ حلقہ زا درست، مگر یہ فارسی بیدلانہ ہے اِخیر رہنے دو۔ مرتا ہوں مجھے سمجھاتے ہو کہ صد جا در کلام اہل زبان خواہند یافت، مگر میں بانی کلام اہل زبان نہیں۔

گردش　　چرخ　　استخوان　　سائید

اس سے بہتر ہے

سودہ　　اشد　　استخواں　　ز　　گردش　　چرخ

باقی اور مصرعے سب اچھے بنائے ہیں

غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

صاحب،

دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف ایک فارسی، ایک عربی ہر چند اس منطق ۲ میں لغات ترکی میں بھی آ جاتے ہیں مگر کمتر، میں عربی کا عالم نہیں، مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلب گار رہتا ہوں فارسی میں مبدا فیاض سے مجھے وہ دوست گاہ ملی ہے اور اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جا گزین ہیں۔ جیسے فولاد میں جوہر۔ اہل پارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت

۱ یعنی میرزا بیدل کی سی فارسی ۲ یعنی بول چال میں۔

میں ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے، سو دو سو چار سو۔ آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے۔

جو وہ لغت عربی ہے بمعنی بخشش، جو اد صیغہ ہے صفت مشبہ کا، بے تشدید۔ اس وزن پر صیغہ فاعل میرے سماعت میں جو نہیں آیا میں اس کو خود نہ لکھوں گا۔ مگر جبکہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا۔ تو میں نے مانا۔

کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی سمجھے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا۔ اس کے قوافی لکھ لیے اور ان قافیوں پر لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بچپن میں جب ریختہ لکھنے لگا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ اس کے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف، قافیہ دیکھ

لیا اور اس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔تم کہتے ہو نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہو گا اور جو اس کے قافیہ کا شعر دیکھا۔اس پر لکھا ہو گا۔واللہ اگر تمہارے اس خط کے دیکھنے سے پہلے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ وہ شعر۔بھائی شاعری معنی آفرینی ہے،قافیہ پیمائی نہیں ہے۔

زمان، لفظ عربی از منہ جمع دونوں طرح فارسی میں **مستعمل**، زمانے یک زماں ج ہر زماں زماں زماں دریں زماں، دراں زماں سب صحیح اور فصیح، جو اس کو غلط کہے،وہ گدھا، بلکہ اہل فارس نے، مثل موج و موجہ یہاں بھی ''ہ''نشتر کدہ کو اور ''ہمہ عالم''''و''ہمہ جا کو غلط کہتا ہے۔کیا میں بھی ویسا ہی ہوں۔جو یک زماں'' کو غلط کہوں گا۔فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہے۔للہ الحمد و اللہ الشکر۔

مرقومہ چہار شنبہ ۲۷۔ ماہ اگست ۱۸۶۲

غالب

میرزا تفتہ۔

جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ یہ بے دردی ہے اور بدگمانی، معاذ اللہ تم سے اور آزردگی، مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان ایک دوست صادق الولاء رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے۔ تم ایسی کون سی بات لکھو گے کہ موجب ملال ہو۔ رہا غماز کا کہنا۔ اس کا حال یہ ہے کہ میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا۔ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ مثلا

ا ایک قسم کا دوغلا مرغ۔

وہ جیتا ہوتا اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا تو میں اس کو جھڑک دیتا اور اس سے آرزوہوتا۔ بھائی، مجھ میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔ برسات کی مصیبت گزر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا۔ اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ معہذا یہ بھی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہوگئی۔ خاطر میری جمع ہے کہ اب اصلاح کی حاجت نہ پاؤں گا اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قصائد سب عاشقانہ ہیں۔ بکار آمدنی نہیں۔ خیر کبھی دیکھ لوں گا۔ جلدی کیا ہے۔ تین بات جمع ہوئیں۔ میری کاہلی، تمہارے کلام کا محتاج بہ اصلاح نہ ہونا۔ کسی قصیدے سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہوتا۔ نظر ان مراتب پر کاغذ پڑے رہے۔ لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل آیا ہے کہ جس کو بہت دن ہوئے۔ آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا۔ نواب صاحب ا کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔

ضعف نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا۔ اس وقت کہ سورج بلند نہیں ہوا۔ اس کو دیکھا۔ لفافہ کیا۔ آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا۔

۲۷۔ نومبر ۱۸۶۲ء غالب

IqbalCyberLibrary.Net
www.iqbal.
All rights reserved.
©2002-2006

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بہ دل جا وارد
ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش

صاحب، کئی بار جی چاہا کہ تم تو خط لکھوں۔ مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں۔ اب جو تمہارا خط آیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابھی لکھنو میں رونق افروز ہیں۔ خط نہ بھیجوں تو گنہ گار میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مجھ میں اصلاح کی مشقت کی طاقت نہیں رہی۔ معہذ تمہارا کام پختگی کو پہنچ گیا ہے۔ اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے۔ تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل قصیدہ لکھا کرو۔ نہ مسودہ بلکہ ایک نقلل اس کی ضرور بھیجا کرو۔

غالب

صاحب بندہ!

میں نے بکس کا ایک ایک خانہ دیکھا۔ سوائے تین کاغذوں کے اور کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا۔ اور اس وقت بہ سبب کم فرصتی کے میں ردیف ان تینوں قصیدوں کی نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ پچاس کا باقتضائے حالات زمانہ دست ہو گیا ہے۔ مٹ نہیں گیا۔ دیر آید درست آید۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

۱ نواب یوسف علی خاں والی رام پور

اب میرا حال سنو:

در نومیدی بسے امید است
پایان شب سید سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار مجھ کو سات پارچے اور تین رقم، جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ، کیننگ، صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل انھوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں دربار نہ کریں گے۔ میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہو گا۔ تم بھی انبالہ جاؤ۔ شریک ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی، کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر

گزری، گویا مردہ جی اٹھا۔ ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سناٹا گزرا کہ سامان سفر انبالہ اور مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں۔ اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میرا قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدے کی فکر، ادھر روپے کی تدبیر، حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے۔ وہ روپے کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ بھی مشکل آسان کرے گا۔ مگر ان دونوں میں نہ دن کو چین ہے، نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب گورنر صاحب کو لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو انبالہ سے آ کر خط لکھوں گا۔

روز چہار شنبہ ۱۳، رمضان ۱۲۷۶ھ

۴، مارچ ۱۸۶۳ء غالب

(۹۸)

لو صاحب، ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کر کے انبالے کا جانا موقوف کیا اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا۔ بیمار ہوں۔ ہاتھ پر ایک زخم کیا ایک غار ہو گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے۔

۱۸۶۳ء غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حضرت، پرسوں صبح کو تمہارے سب کو اغذ ایک لفافے میں بند کر کے ڈاک گھر بھجوا دیے۔ سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی۔ اسی دن شام کو ایک خط آپ کا اور پہنچا۔ اس کو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں۔ وہ لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال باور نہیں اور کسی نے جو کہہ دیا کہ غالب کے پانو کا ورم اچھا ہو گیا۔ اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ بیس برس آگے یہ بات تھی کہ ابر و باراں میں یا پیش از طعام یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا اور شراب شبانہ معمولی میں مجرا نہ لیتا تھا۔[۱] اس

---

[۱] گویا ۱۸۴۳ء تک یہ حالت تھی کہ رات کے وقت شراب پینے کا ایک پیانہ مقرر کر لیا تھا۔ اور التزام کے ساتھ پیتے تھے۔ اس کے علاوہ دوپہر کے کھانے سے قبل اور شام کے قریب تین تین پیگ پی جاتے تھے۔ بعد ازاں دن کی شراب چھوڑ دی۔ اور شراب شب کی مقدار بھی گھٹا دی۔

بیس برس میں بیس برساتیں بڑے بڑے مینہ برسے۔ پینا ایک طرف دل میں خیال بھی نہ گزرا۔ بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے۔ پانو کا ورم حد سے زیادہ گزر گیا۔ مادہ تحلیل کے قابل نہ نکلا۔ کھلن شروع ہو گئی۔ حکما جو دو تین یہاں ہیں، ان کی رائے کیمطابق کل سے نیب کا بھرتا بندھے گا۔ وہ پکالائے گا۔ تب اس کو پھوڑنے کی تدبیر کی جائے گی۔ تلوار، زخمی پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامراد بے ردجھوٹا

ہے تو اس پر ہزار لعنت اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت ۔۱۲

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حضرت،

آپ کے سب خط پہنچے۔ سب قصیدے پہنچے۔ بعد اصلاح بھیج دیے گئے۔ ستر برس کی عمر، آلام روحانی نہ میں کہوں۔ نہ کوئی باور کرے۔ امراض جسمانی میں کیا کلام ہے۔ بائیں پانو مہینے بھر سے ورم ہے۔ کھڑے ہونے میں رگیں پھٹنے لگی۔ افعال دماغ ناقص ہو گئے۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ قصہ مختصر، ایک قصیدہ دس سابق کا اور ایک کل کا آیا ہوا۔ یہ دونوں ج ایک لفافے میں آج روانہ کرتا ہوں۔

جمعہ ۱۳ جولائی ۱۸۶۳ء

غالب

یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں ہوں۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ اعم بہ تشدید لفظ عربی ہے:

دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم است

مگر بحر اور رہو جاتی ہے۔ مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو، کاف کے اسقاط کی کیا توجیہ کرو گے اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے۔ ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے قصائد لکھنے کو کہا تھا، اب ہم منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قسائد نہ لکھا کرو۔ مدح بشر دار ضرورت لکھو۔ مگر بہ فکر و غور ۱۲

(۱۶۔ جولائی ۱۸۶۳)

غالب

سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں ''برے استادن رنگ، کو کہاں سے سمجھتا:

بہ از من نصیحت گرے با یدت
ندانم پس از من چہ پیش آیدت

میں نے جو لکھا کہ میں اچھا ہوں، اسکو آپ سمجھ کر خدا کا شکر بجالاتے۔ وہ جو میں نے لکھا تھا کہ شدت مرض کا بیان مبالغہ شاعرانہ ہے۔ اس کو بھی آپ نے سچ جانا ہوگا۔ حال آنکہ یہ دونوں کلمے از راہ طنز تھے۔ میں جھوٹ سے بیزار ہوں اور جھوٹے کو ملعون جانتا ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب تم نے کسی طرح بیان واقعی کو باور نہ کیا تو میں نے تمہیں لکھ بھیجا کہ اچھا

۱ وہ شخص جس نے تفتہ کو بتایا کہ غالب کا پانو اچھا ہو گیا۔

ہوں اور یہ کلمہ تمہیں میں نے جب لکھا ہے کہ عہد کر لیا ہے کہ جب تک دم میں دم اور ہاتھ میں جنبش قلم ہے۔ جب تک موقع اصلاح خیال میں آسکتا ہے۔ آج جو تمہارا دفتر پہنچے گا۔ اس کو کل روانہ کر دیا کروں گا۔

مجملاً حال میرا یہ ہے کہ قریب مرگ ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں پھوڑے، پانو میں ورم، نہ وہ اچھے ہوتے ہیں اِل نہ یہ رفع ہوتا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ کل تمہارا دوورقہ آیا۔ آج صبح کو لیٹے لیٹے اس کو دیکھ کر تمہیں بھجوایا۔ زنہار تم مجھے تندرست سمجھے جاؤ اور دفتر بھیجتے رہو۔ ایک دن سے زیادہ توقف نہ کروں گا۔

قریب مرگ ہو تو بلا سے۔

صبح پنجشنبہ ۲۳، جولائی ۱۸۶۳ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

''انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں، تم نے خاتم بمعنی نگیں باندھا یہ غلط۔ جنس وفا ے کس مخر کیا ترکیب ہے جنس مخر وفا البتہ درست ہے۔ نظر اولے میں یہ سبب تکدر حواس اور کثرت درد و ورم پا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا ۱۲

یہ خط لکھ کر بند کر رکھا تھا کہ کل صبح روانہ کروں گا۔ چشم بد دور۔ آج اسی وقت کہ دو گھڑی رن ہے۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا دوسرا جو میں نے خالی چھوڑ دیا ہے۔ اس کو کتر کر یہ سطریں لکھ کر۔ پھر بند کرتا ہوں۔

سبحان اللہ۔ دیگر تو ان گفت اخص را کہ اعم ست ایں۔

اس کا وزن کب درست ہے۔ کیا فرماتے ہیں غور کرو۔ بعد غور کے اس کی ناموزونی کا خود اقرار کرو گے۔

شرف قزوینی کے مطلع میں:

ساغر ور کشیدہ ایم دم در کشیدہ ایم

دوسرے شعر میں:

''پیانہ ہائے زہر ستم در کشیدہ ایم''

''درکشیدہ'] کو ربط پیمانے کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ؟ اگر زہر در کشیدن جائز ہوتا تو وہ سم کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا۔ تیسرے شعر میں قلم درکشیدن ہے۔ چوتھے شعر میں آب درکشیدن۔ ہے۔ پانچویں شعر میں ہسرو رکشیدن ہے۔ کیا زہر پانی ہے۔ اگر مثل زہراب ہوتا تو روا تھا۔

سبحان اللہ یہ عبادت چہ جائیکہ شرف قزوینی ساغر وہ پیانہ زہر ور کشیدہ۔ اے برادر شرف زہر کجا درکشید بلکہ پیانہ زہرہ کشید۔ شاہم ساغر سم درکشیدن۔ سم درکشیدن کجا و پیانہ کجا۔ ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا۔ چاہو یوں کر دو،

دانی من درل آنچہ ہم در کشیدہ ایم
در یک نفس دو ساغر سم در کشید ایم

---

۱ چھوڑے ۲ ورم ۳ بلند پایہ یہ معاملہ گو فارسی شاعر وفات ۹۶۲، ۱۵۵۵۔

سبحان اللہ۔ تم جانتے ہو کہ اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر ہوں جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو؟

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بداست مرگ ولے بدتر از گمانت و نیست

خیر، شرف قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو۔ غالب

میں ایسا جانتا ہوں کہ، رارع ۱ بہ تشدید ہے اور ورع ۲ بوزن زرع اور لغت ہے۔"

صاحب، یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے۔ کیا کہنا ہے۔ ایک خیال رکھا کہ دو شعر کے اخیر میں کوئی ایسی بات آ جائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

ایک قصیدہ اصلاح دیکر بھیج چکا ہوں۔ اور اسی ورق پر فلا نے صاحب کے باب میں تم کو ایک نصیحت کر چکا ہوں۔ ادھر کے جواب کا ہرگز خیال نہ رکھو۔ اور ا

دھرے اگر قصیدے کے ارسال میں دیر ہوا کرے، تو گھبرایا نہ کرو۔ اب میرے پاس دو قصیدے ہیں ایک لشکر بر آورم اور ایک کلا آیا ہے۔ بر جا ماند دور جا ماند، خوب کہی کہ مضمون سے پہلے ممدوح ڈھونڈھنا پڑتا ہے۔ اگر میں تم کو ممدوح بتا سکتا تو قصیدہ اس کے نام کا تم سے منگوا چکا ہوتا اور اس ممدوح تک پہنچا چکا ہوتا۔ بھائی ایک دقیقہ کہ لکھنے کے قابل نہیں ہاں ملاقات ہوئے پر کہہ سکتا ہوں۔ اللہ اللہ!

جولائی ۱۸۶۳ء غالب

صاحب،

"گوہررا، خاور را یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔ ہم نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیج دیا ہے، جب تم صاف کر کے بھیجو گے، ہم تمہارے ممدوح کو دے دیں گے۔ کل تمہارا قصیدہ پہنچا۔ ہم نے دوپہر کو دیکھ کر درست کیا۔ آج پنجشنبہ ۱۲، ستمبر ۱۸۶۳ء کو ڈاک میں بھجوادیا۔

صاحب، آج میر بادشاہ آئے، تمہاری خیر و عافیت انکی زبانی معلوم ہوئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ اور مجھ کو تمہارے خوش رکھنے کی توفیق دے۔ ممدوح کا نام کیا لکھوں؟ بات اسی قدر ہے کہ رام پور میں کوئی صورت کسی طرح نہ بنتی نظر نہیں آتی۔ ورنہ کیا تمہارا قصیدہ وہاں نہ بھجواتا۔

دراعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعراس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدیؒ کے مصرع سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور دراعہ دونوں عربی لغت ہیں۔ وہ دال کی تشدید سے اور وہ رے کی تشدید سے۔ مگر خیر جادہ اور دراعہ بھی لکھتے ہیں یہ نہ کہو کہ دراعہ ہر گز نہیں ہے۔ یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔

۱۲، ستمبر ۱۸۶۳ء — غالب

---

۱ جامہ خصوصاً جامئہ صوف یا زرہ آہن۔

(۱۰۵)

بھائی صاحب،

کشیدن کی جگہ در کشیدن بلکہ بر کشیدن کی جگہ در کشیدن نہ چاہیے۔ بر آمدن و در آمدن، کا استعمال بعض متاخرین نے عام کر دیا ہے۔ یعنی در آید سے بر آید کے معنی لیے ہیں۔ لیکن در کشیدن اور ہے اور بر کشیدن، اور میں قریب بمرگ ہوں پانو کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ دوست جو روز آتے ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔

خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے۔ سب کو منع کر دیا۔ ایک رئیس رام پور اور ایک تم، ان کی اصلاح رہ گئی ہے۔

غالب

لاحول ولاقوۃ کس ملعون بہ سبب ذوق شعر، اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بے زار نہ ہوں۔ تو میرا خدا مجھ سے بے زارہ۔ میں نے بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا۔ جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے،

نور چشم غالب از خود رفتہ مرزا تفتہ،

خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے۔ نہ دوست بخیل نہ میں کاذب، مگر بقول میر تقی،

اتفاقات ہیں زمانے کے

بہر حال دہر کی مدح سرائی موقوف کرو، اشعار عاشقانہ بطریق غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔

سہ شنبہ ۲۴، نومبر ۱۸۶۳ء نجاب کا طالب غالب

صاحب،

کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر لکھ کر یہ پارسل ہے، خط نہیں، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمت گار نا خواندہ آدمی۔ اس کا حکم بجالایا اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال دیا۔ وہ لفظ یہ کہ خط نہیں ہے پارسل ہے۔؛ دست آویز معقول ہے اگر وہاں کے ڈاک یے تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملے

ا۔ ظاہر کسی مدحیہ قصیدے کے صلے کا معاملہ ہے۔

کے ذریعے سے گفتگو کر لینا۔

مکان میرے گھر کے قریب، حکیم محمود خاں کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس، بازار بھی قریب۔ ڈھائی روپے کرایہ کو موجود، مگر مالک مکان سے یہ وعدہ کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دوں گا۔ بعد ایک ہفتے کے اگر تمہارا مسافر نہ آیا تو مجھے اوروں کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے۔

رام پور کے باب میں مختصر کلام ہے کہ نہ میں رام پور کو لکھ سکتا ہوں نہ اس کے لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر ریل میں بیٹھ کر آ ؤ گے تو زبانی کہہ دوں گا۔

سہ شنبہ ۳۔ ربیع الثانی ۱۲۸۱ء۔ ششم ستمبر ۱۸۶۴ء غالب

(۱۰۹)

بھائی،

تم سچ کہتے ہو کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کرایے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مہینا شروع ہوا۔ شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت، دن میں دو چار بار برسے سے ہر بار اس زور سے آندی نالے بہہ نکلیں۔ بالاخانے کا جو دالان میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، جینے مرنے کا محل ہے۔ اگرچہ گرا نہیں، چھت چھلنی ہوگئی۔ کہیں لگن، کہیں چلمچی، کہیں اگالدان رکھ دیا۔ قلمدان، کتابیں اٹھا کر توشے خانے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب نجات ہوئی۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائیں گے۔

میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔ میری قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پرسوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات ان سے ہوئی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے بیماری ہیں۔ احسن اللہ خاں معالج ہیں۔ فصد ہو چکی ہے۔ جونکیں لگ چکی ہیں اب مسہل فکر ہے۔ سوا اس کے سب طرح کی خیر و عافیت ہے۔ میں ناتواں بہت ہو گیا

ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا کلف کی ملاقات کا آ جائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں۔ لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ اللہ!۔

صبح ۱۴۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۴ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

منشی صاحب،

میں سال گزشتہ بیمار تھا۔ بیماری میں خدمت احباب سے مقصر نہیں رہا۔ اب مردہ ہوں۔ مردہ کچھ کام نہیں کرسکتا۔

۱۔ کسی دوسرے

کمشنر و ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام شہر سے ترک ملاقات ہے مگر ڈپٹی کلکٹر شہر سے کہ وہ مہتمم خزانہ ہے۔ ہر مہینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے۔ اگر نہ ملوں تو مختار کار کو تنخواہ نہ ملے۔ ڈکرو ور صاحب ڈپٹی کلکٹر چھ مہینے کی رخصت لے کر پہاڑ پر گئے۔ ان کی جگہ ریٹی گن صاحب مقرر ہوئے۔ ان سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعرائے ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی انھوں نے مدد چاہی۔ میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خاں صاحب سے مستعار لے کر ان کے پاس بھیج دیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعرا کو تو اچھی طرح جانتا ہے ان کا حال لکھ بھیج۔ میں نے سولہ آدمی لکھ بھیجے۔ بقیہ اس کے کہ اب زندہ موجودہ ہیں اور اس سواد کی صورت یہ ہے، نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو۔ فارسی و اردو زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے ہیں۔ اسداللہ خاں کے شاگرد، نواب مصطفیٰ خاں بہادر علاقہ دار جہانگیرآباد، اردو شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اردو میں مومن خاں کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندرآباد، کے فارسی شعر کہتے ہیں۔ تفتہ تخلص کرتے ہیں۔

اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد، ظاہر بعد اس فہرست بھیجنے کے انھوں نے کچھ اپنے منشی سیتم کو لکھوایا ہوگا۔ پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں۔ تمہارے خط کے رو سے میں نے اطلاع پائی۔ اب میں مولوی مظہر الحق ان کے منشی کو بلواؤں گا اور سب حال معلوم کروں گا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ اشعار ہندی، و فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائے گا۔ صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن و موطن کا نام مع تخلص درج ہوگا۔ خدا کرے کچھ تم کو فائدہ ہو جائے۔ ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔ ری ٹیگن صاحب اب عدالت خفیہ کے جج ہو گئے۔ ڈکر وور صاحب بہادر پہاڑ سے آ گئے۔ اپنا کام کرنے لگے۔ ریٹ گن صاحب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا رہے۔ معہذا جاڑے کا موسم، بڑھاپے کا عالم، وہاں تک جانا دشوار پھر کوئی مطلب نکلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بہ ہر حال مولوی مظہر الحق پرسوں یک شنبہ کے دن میرے پاس آئیں گے۔ حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا تو ضرور جاؤں گا۔

روز جمعہ ۹ دسمبر ۱۸۶۴ء

غالب

آ ؤ میرزا تفتہ، میرے گلے لگ جاؤ اور میری حقیقت سنو۔ یک شنبہ کو مولوی مظہر الحق آئے تھے۔ ان سے سب حال معلوم ہوا۔ پہلا خط کو ان کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم ریٹ گن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دونوں دیوان تمہارے اور نشتر عشق اور ایک تذکرہ چار کتابیں تمہاری بھیجی ہوئی ان کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمہارے معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا۔ کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس لتفات کا یہ کہ تمہارا ذکر بہت اچھی طرح لکھیں گے۔ باقی مالخیر شابسلامت۔ ہاں ان کے تحت میں پندرہ بیس روپے مشاہرے کے علاقے ہیں۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو اس امر میں ان سے کلام کرو۔

میرا عجب حال ہے۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا؟

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی
بدست مرگ ولے بد تر از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا تھا۔ اب باصرہ بھی ضعیف ہوگیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں۔ سب مضمحل ہیں۔ حواس سراسر مختلی ہے حافظ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی۔ رئیس رام پور سو روپے مہینا دیتے ہیں۔ سال گزشتہ انکو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں

کہ اس خدمت سے معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے۔ عوض خدمات سابقہ میں شمار کیجیے تو میں سکہ لمبر آہی ورنہ خیرات خوار آہی اور اگر یہ عطیہ بشرط خدمت ہے تو جو آپ کی مرضی ہے۔ وہی میری قسمت ہے۔ برس دن سے کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرری نومبر تک آئی۔ اب دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔ آج تک نواب صاحب از راہ جوان مردی دیے جاتے ہیں۔ اور بھائی تمہاری مشق، چشم بد دور۔ صاف ہوگئی۔ طب دیا بس تمہارے کلام میں نہیں رہا اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے۔ تو میری جان میرے بعد کا کرو گے۔ میں چراغ دم صبح و آفتاب سر کوہ ہوں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۴۔ رجب ۱۲۸۱ھ (۱۴ دسمبر ۱۸۶۴ء)

نجات کا طالب، غالب

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ غالب کی دعا سے درویشانہ قبول کریں ۔ ہم آپ کو سکندر آباد تانگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں اور آپ لکھنو راجہ مان سنگھ کی حویلی ۔ مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مدار یہا حقہ لکھنو کا پی رہے ہیں اور منشی نولکشور صاحب سے باتیں کر رہے ہیں ۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا ۔ آج یک شنبہ ہے ۔ اخبار کا لفافہ ابھی تک نہیں پہنچا ۔ ہر ہفتے تو پنجشنبہ حد جمعہ کو پہنچتا ہے ۔

مرزا تفتہ کیا فرماتے ہو ۔ کیسے ریٹ گن صاحب ، کہاں ریٹ گن صاحب ! پنجشنبہ کے دن ۱۹ جنوری سنہ حال کو وہ پنجاب کو گئے ۔ ملتان یا پشاور کے ضلعے میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں ۔ اپنی ناتوانی کے سبب ان کی ملاقات تو در کنار کو نہیں گیا ۔ انوار الحق گھاٹ پر نوکر ہے پندرہ روپے مشاہرہ پاتے ہیں ۔ زیادہ ، زیادہ ۔

صبح یک شنبہ ۱۲ فروری ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب ، غالب

صاحب،

واقعی، سداب۳ کا ذکر طبی میں بھی ہے۔ اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا، اس واسطے کاٹ دیا۔ قراب۴ کونسا لفظ غریب ہے۔ جس کو اس طرح پوچھتے ہو؟ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سراب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔

غالب ۱۲۔

---

۱ ادنی درجہ جس کی نے سیدھی ہو۔ ۲ رخصتی ملاقات، ۳ پودینہ جیسی ایک گھاس جسے تتلی کہتے ہیں۔ دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ نیز بمعنی قوت و قدرت۔ ۴ تلوار کا میان نیز مشکیزہ وزندیکی

حضرت، اس غزل میں پروانہ پیانہ و بت خانہ تین قافیے اصلی ہیں۔ دیوانہ چونکہ علم قرار پاکر ایک لغت جداگانہ شخص ہوگیا ہے۔اس کو بھی قافیہ اصلی سمجھ لیجئے۔ باقی، غلامانہ ومستانہ، مردانہ وترکانہ ودلیرانہ وشکرانہ۔ سب ناجائز، نامستحسن۔ ایطا اور ایطا بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انھیں قافیوں میں ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔اور پھر تم نے غزل مبنی انھیں قوانی پر رکھی۔ کاشانہ، وشانہ وافسانہ وجانانہ، و فرزانہ، یہ قافیے کیوں ترک کیے؟ یادر ہے۔ساری غزل میں مردنہ یا مستانہ یا انکے نظائر میں سے ایک جگہ آوے۔ دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری! ہوگئی۔اور غزل لکھ کر بھیجو تا کہ اصلاح دی جائے

عفو کا طالب، غالب

مرزا تفتہ،

پیر شو، بیاموز، تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو۔ وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہیں۔ وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے۔ کہیں خلاف، عرفی کہتا ہے:

روح را ناشتا فرسادی

یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا، ناشتا، اس کو کہتے ہیں، جس نے کچھ کھایا نہ ہو۔ ہندی اس کی نہار منہ تم لکھتے ہو۔

"کہ عجب ناشتا فرستادی

یعنی غذاے صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے، اس نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں۔ واقف کہتا ہے۔

نہ م حرم قفس ، نہ بہ دام آشنا شدیم
نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

یہ بھی ہندی کی فارسی ہے۔ بری گھڑی او سبھ گھڑی اہل زبان ایسے موقع پر طالع، لکھتے ہیں۔

نفریں کنیم طالع پرواز خویش را

قتیل کہتا ہے۔

یک وجب جاے بکوے تو زخوں پاک نہ بود

کشتہ برکشتہ تپاں بود دگر خاک نہ بود

یہاں س پر ہیچ نبود، کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں اور پھر صاحب۔ برہان قاطع کا ذکر کرتے ہو! وہ تو ہر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زیر، زبر، پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے۔ جس لغت کو کاف عربی سے لکھے گا، کاف فارسی سے بھی بیان کرے گا۔ جس لفظ کو طاے حطی سے لائے گا۔ تاے قرشت سے بھی ضرور لکھے گا۔ فضلاے کلکتہ کے حاشیے دیکھو کہ وہ اس کی کیا تحمیق کرتے ہیں۔

۱۔ ناپسند، نامنظور۔

نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امان امام کے مشتقات میں سے زنہار نہیں نبی بخش کا مخفف نبیا اور امام کا تعلق اگر مذکر ہے تو امامی اور اگر مونث ہے تو امامن ۔طغرا نے ہندی لغت کے لانے کا التزام کیا ہے:

وقت آں آمد کہ مینا راگ ہندی سرکند

اور اساتذہ کہ اس کا التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ گڑ گانواں نام ہے ایک گاؤں کا۔ اس کو کیوں کر بدلیں۔؟ ہاں گر بہ راے قرشت کہیں گے۔ لکھنو نام ہے ایک شہر کا۔ وہ لکھنو بغیر ہاے مخلوط کے کہیں گے فی زمانہ چھاپے کو چاپ بوت بولتے ہیں عرفی جھکڑ کو جکر، بولتا ہے۔

آں باد کہ در ہند گرآید جکر آید

راۓ ثقیلہ ہاے مخلوط رتشدید، یہ تینوں ثقالتیں مٹا دیں صاحب، برہان قاطع اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علی اہل ہند میں بھی اس کو مشترک جانتا ہے۔ اپنے

کورسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ہے:

ہر زہ مشتاب دپے جادہ شناساں بردار

ایکہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

اہل ہند سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔ فرہنگ لکھنے والوں لک کا مدار قیاس پر ہے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا، وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو ہم اس کو مانیں۔ ہندیوں کو کیونکہ مسلم الثبوت جانیں؟ گاے کا بچہ بہ زور سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا۔ بنی اسرائیل اس کو خدا سمجھے۔ یہ جھگڑے قصے جانے دو۔

وہ باتیں سنو، ایک تو یہ کہ ارغنون کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔ دراصل ارغنون بغین مفتوح اور مخف اس کا ارغن اور مبدل مندار گن ہے۔ دوسرے یہ کہ جب موسیٰ خاں نے ایواے کو ایوا لکھا۔ تو اس لفظ کی صحت میں کچھ تامل نہ رہا۔

رام پور سے اپریل کے مہینے کا روپیہ اور تعزیت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا ہے۔ آیندہ جو خدا چاہے۔

یک شنبہ ۱۴۔ مئی ۱۸۶۵ء

غالب

تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا؟ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا۔ تن تن او رننا ۔اصوات ہیں تار کے، ہندی اور فارسی میں مشترک ۔نبیا، اور امامن کے لکھنے کو میں نے منع ہر گزنہیں کیا۔شوق سے لکھو۔یہ تم کو سمجھایا تھا کہ نبیا مخفف نبی بخش اور امامن متعلق بہ امام ہے ۔مشتقات میں اس کو تصور نہ کرو۔قاعدہ دانان اشتقاق تم پر ہنسیں گے ۱۲

۱طغرہ مشہد یک، کچھ عرصہ مراد بخش بن شاہجہان کے پاس گزرا پھر کشمیر میں گوشہ نشین ہوگیا۔وہیں وفات پائی۔نثر میں بہت مشہور رہوا۔۲غالب یوسف علی خاں کی وفات پر نامہ تعزیت اور جانشینی نواب کلب علی خاں ل کے جلوس پر نامہ تہنیت

ایوائے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں۔سب مانع ہیں۔ایوا کے اور سند ایوا ے، کی۔موسوی خاں نے بحسب ضرورت شعر ایوا لکھا۔

تہمتن بروزن قلمزن ہے فردوسی نے سوجگہ شاہنامے میں، تہمتن بسکون ہاے ہوز لکھا ہے۔پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پا گئیں؟ لاحول والا قوۃ۔لغت وہی بحرکت ہاے ہوز ہے ۱۲

میں نے کس قدر کلام کو طول دیا۔صائب کے شعر کی حقیقت شرح وبسط لکھی۔تم نے ہرگز اعتناء نہ کیا۔ایوا کو الگ، سمجھے مصیتاہ کو جدا سمجھے بھلا میرے قول کو گوزشتر سمجھتے ہو۔نرا مصیتاہ یا حسرتاہ یا ویلا آتا ہے۔تو تحتانی کی حذف کو کے واویلا وغیرہ لکھتے ہیں۔چاہو، اے واویلا لکھو، چاہو آخر میں ہائے ہوز لکھو۔جیسا کہ واہ مصیتاہ

چا ہو بے ہائے ہوز، وامصیبتا اور یہی حال ہے حسرت و درد و اسف و دریغ کا جہاں اے کے ساتھ وامصیبتا پاؤ، وہاں اے کے حرف کو ندا، اور منادی یعنی ہمنشین اور ہمدم کو مقدر سمجھو۔ فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دیکھیں۔ اپنا قیاس دوڑا کر اس کی حقیقت ٹھہرالی۔ کہیں ان کا قیاس غلط، کہیں صحیح، سو ان میں یہ دکنی ایسا کج فہم ہے کہ اس کا قیاس سو ۱۰۰ لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے صاف لکھ دیا تھا کہ موسوی خان کے شعر کی سند پر ایوا کو رہنے دو۔ مگر مصائب کے شعر میں۔ ایوا کو الگ اور مصیبتاہ کو جدا نہ سمجھو۔ تمہارے پاس قیاس نے پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ایوا لکھا ہے۔

نجات کا طالب

غالب

دل بسے دا غدار بود ، نماند
در نظر ہا بہار بود ، نماند

اگر بود کے آگے داؤ کو موقوف اور محذوف کر دو گے تو ہمارے نزدیک کلام سرا سر بلیغ ہو جائے گا[1] میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے۔شاید بسبب عبارت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی اور بسبب خلاف شرع کرنے کے پیمبر سے بھی نہ ہوگی۔مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے

مرگ ناگاہ کا طالب، غالب

---

[1] تفتہ کا شعر غالباً اس طرح تھا:

دل بسے دا غدار بود نماند
در نظر ہا بہار بود و نماند

میاں،

سنو اس قصیدے کا ممدوغ شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے۔ جیسے ہم تو اپنے اپنے مسائل دینی سے۔ بلکہ ہم تم باوجود عدم واقفیت امور دینی سے نفور نہیں اور وہ شخص اس فن سے بیزار ہے۔ علاوہ اس کے وہ اتالیق کہاں، وہاں سے نکالے گئے۔ دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب سے آئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس نہیں آئے۔ نہ میں ان کے پاس گیا۔ لوگ اس لائق بھی نہیں کہ ان کا نام لیجئے ؛۔ چہ جائے آنکہ مدح کیجئے۔ ہائے انوری:

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
اے دریغا نیست معشوقے سزاور غزل

غالب

(۱۱۹)

میرے مہربان، میری جان میرزا تفتہ سخندان۔

تمہارا اسکندرآباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا ۔زندہ ہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا۔ بھیک مانگنے آیا۔ روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا۔ سرکار سے ملتی ہے۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت۔ نواب صاحب از روے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق، آیت رحمت ہیں۔ خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں۔ جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے۔اس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپے سال غلے کا محصول معاف کر دیا ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شاری صبیحہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار مجھ پر نہیں کھلی۔ مصطفیٰ خاں صاحب بتقریب تہنیت مسند نشینی و شمول جشن آنے والے ہیں۔ اس وقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع، ۵ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموع۔

دوشنبہ ۱۸، نومبر ۱۸۶۵ء بوقت چاشت

نجات کا طالب غالب

لو صاحب

کھچڑی کھائی دن بہلاے کپڑے پھاڑے گھر کو آئے

۸ جنوری ماہ و سال حال، دوشنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا ہے۔ تمہارا خط مضامین دردناک

۱؎ نواب کلب علی خاں والی رامپور ۲؎ علی بخش خاں ساماں ۳؎ خلعت سرکار انگریزی ۴؎ رامپور کے دوسرے سفر سے واپسی کا ذکر ہے۔

سے بھرا ہوا رامپور میں نے پایا۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچ کر بیمار ہوگیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ انھوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت ۱؎ کی۔ کیوں ترک لباس کرتے ہو؟ پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو اتار پھینکو گے؟ ترک لباس سے قیدی ہستی مٹ نہ جائے گی۔ بغیر کھائے پیے گزارا نہ ہوگا۔ سختی و سستی، رنج و آرام کو ہموار کر دو۔ جس طرح ہو اسی صورت سے بہر صورت گزرنے دو:

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

(جنوری ۱۸۶۶) اس خط کی رسید کا طالب

، غالب

پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا۔تم سے پروا کیا ہے۔ایک فتوح کا منتظر ہوں۔ اسمیں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے۔زمانہ فتوح کے آنے کے قریب آ گیا ہے۔ان شاءاللہ میرا مع حصہ فتوح جلد پہنچے گا۔پنڈت بدری نات یا بدری واس ڈاک منشی کرنال باآنکہ مجھ سے اس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے۔مگر میں جب جیتا تھا تو وہ اپنا کلام اصلاح کیواسطے میرے پاس بھیجتا تھا۔بعد اپنے مرنے کے میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہر گوپال تفتہ کے پاس بھیج دیا کرو۔اب تم کو بھی لکھتا ہوں کہ تم میرے اس لکھنے کی ان کو اطلاع لکھو۔میں زندہ ہوں اوپر کے لبر میں جو اپنے کو مردہ لکھا ہے،وہ باعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے۔ورنہ زندہ ہوں۔مردہ نہیں۔بیمار بھی نہیں۔بوڑھا۔ناتوان،مفلس قرضدار، کانوں کا بہرا،قسمت کا بے بہرہ۔زیست سے بیزار۔مرگ کا امیدوار

غالب

---

[1] خود میرزا نے دہلی پہنچ کر نواب کلب علی خاں کو حالات سفر مراجعت کو جو تفصیل بھیجی اس سے پتا چلتا ہے کہ دریاے رام گنگا میں سرمائی بارش کے باعث سیلاب آ گیا ہے۔میرزا پالکی میں دریا سے پار آ گئے پھر پل ٹوٹ گیا۔سامان کی گاڑی اور نوکر چاکر دوسرے کنارے پر رہ گئے میرزا نے سراے مراد آباد میں رات کمبل کے ساتھ گزاری سردی کی وجہ سے بیمار ہو گئے۔صاحبزادہ ممتاز علی خاں نے دو آدمی بھیج دیے۔وہ میرزا کو سعید الدین خاں کے لے گئے۔پھر مولوی محمد حسن خاں صدر

الصدور مراد آباد پہنچ گئے اور اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا چنانچہ میرزا نے پانچ دن ان کے ہاں گزارے۔ ذرا طبیعت سنبھلی۔ گاڑی اور نوکر چاکر آ گئے تو دہلی میں روانہ ہوئے۔ نواب کلب علی خاں کو نواب مصطفیٰ خاں کی زبانی علالت کا علم ہوا تو فورا مراد آباد کے پتے سے مرزا کو لکھا کہ اگر طبیعت کی ناسازی کے باعث مراد آباد میں مقیم ہیں تو بہتر یہ ہوگا کہ رامپور آ جائیں اور یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئے گا۔ مگر اس وقت تک میرزا دہلی پہنچ چکے تھے۔

ے مطلب یہ کہ جب میں اصلاح دینے کے قابل نہ رہا۔ جیسا کہ آگے چل کر خود میرزا نے واضح کر دیا ہے

حضرت،

اس قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔کیا کیا شعر نکالے ہیں۔لیکن افسوس کہ بے محل اور بے جا ہے۔اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہ حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا بہی کا درخت اگ جائے۔خدا تم کو سلامتل رکھے۔رکان بے رونق کے خریدار ہوئے۔۱۲

(۱۲۳)

میرزا تفتہ،

کیا کہنا ہے۔ نہ ظہیر کا پتا، نہ غالب کا، مداحک شایستہ صد ہزار آفریں ل اور ممدوح سزاوار صد آفریں[۳]

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مرزا حاتم علی بیگ مہر

میزا حاتم علی بیگ مہر کے پر دادا نادر شاہ کے ساتھ اصفہان سے ہندوستان آئے تھے۔ انکے دادا رکن الدولہ امراؤ علی خاں بہادر غالباً ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ جیسا کہ کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے ندیم خاص بن گئے تھے۔ علاقہ دلمو کے ناظم تھے۔ مہر کے والد کا نام میرزا فیض علی بیگ تھا۔ وہ انگریزی عملداری میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز رہے۔ مہر ۱۲۳۰ء (۱۸۱۵ء) میں لکھنو میں پیدا ہوئے جہاں ان کا خاندان مستقل طور پر مقیم تھا۔ ابھی کم عمر ہی تھے کہ والد فوت ہوگئے۔ والدہ نے بڑے اہتمام سے تعلیم دلائی۔ ۱۸۴۰ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے چنار گڑھ ضلع مرادپور میں منصف مقرر ہوئے۔ خود لکھتے ہیں:

از بسکہ سوز ہجر سے خوگر ہوئے ہیں ہم
منصف چنار گڑھ میں مقرر ہوئے ہیں ہم

حاتم علی بیگ کے ایک بھائی عنایت علی بیگ تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ بڑے تھے اور بعض انھیں چھوٹا بتاتے ہیں، غرض دونوں بھائیوں کو تقریباً ایک ہی وقت میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ عنایت علی بیگ نے ماہ تخلص رکھا اور آتش کے شاگرد ہوئے۔ حاتم علی بیگ نے مہر تخلص اختیار کیا اور ناسخ کے تلامزہ میں شامل ہوگئے۔

غدر، میں مہر نے اپنے ماموں سخاوت علی بیگ کی امداد سے سات انگریزوں کو اپنے گھر میں پناہ دے کر ان کی جان بچائی۔ اس خدمت کے صلے میں انھیں بائیس

پارچے کا خلعت، مالاے مرادو یدور ایک گھوڑا مع اسلح مال نیز دو گاؤں جاگیر میں عطا ہوئے۔ غالب نے خط نمبر ۴ میں اسی اعزاز کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد میرزا مہر لکھنو کی اقامت

۱ کوڑا کرکٹ ڈالنے کا مقام، ج ۲ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ تفتہ نے خود غالب کی مدح میں لکھا تھا۔ ۳ بظاہر یہ قصیدہ بھی غالب ہی کی مدح میں تھا۔

چھوڑ کر آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ اور وکالت شروع کر دی۔ وہ نواب معتمد خاں کی مسجد کے متصل رہتے تھے۔ بچ میں آنریری مجسٹریٹ ہو گئے تھے۔

۱۸۷۹ء میں اپنے بیٹے میرزا سخاوت علی بیگ تحصیلدار سے ملنے کے لیے ایٹہ گئے۔ وہیں وفات پائی بڑے بے تعصب آدمی تھے۔ مہاراجہ بلوان سنگھ خلف مہاراجہ چیت سنگھ نے مہر کی شاگردی اختیار کی اور سنا ہے کہ پچاس روپے ماہانہ بطور نذرانہ ان کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

مہر کا ابتدائی منظوم کلام غدر میں لٹ گیا۔ وہ خود کہتے ہیں:

اس عہد میں ہر اک تہ چرخ کہن لٹا
اوروں کا زر لٹا مرا نقد سخن لٹا

ا۔ بقیہ تصانیف کی کیفیت یہ ہے:

ا۔ دیوان اردو موسوم بہ الماس درخشاں یا خیالات مہر۔

۲۔ رسالہ، پیرایہ عرض"

۳۔ ایاغ فرنگستان (یعنی ابتداء عہد انگلشیہ کی تاریخ جو ۱۸۷۲ء میں طبع ہوئی)

۴۔ داغ دل مہر (واسوخت)

۵۔ داغ نگار، (مثنوی)

۶۔ شعاع مرہ (مثنوی)

۷۔ بیان بخشایش (مثنوی)

اس کے علاوہ ہمدم آخرت پنجہ مہر توقیر شرف وغیرہ کے نام سنے جاتے ہیں۔ غارت شدہ کلام میں خار عشق۔ انجام عشق کشکول۔ وغیرہ شامل تھے۔ جن کی مفصل کیفیت معلوم ہو سکی۔

ان شعراء ایک تذکرہ بھی لکھا تھا، جن سے مہر کی ملاقات تھی اور اس کا نام، محیط آشنار کھا تھا۔ قائد اعظم کے نام سے بھی ایک تصنیف کا ذکر دیکھا ہے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱)

بہت غم گیتی ، شراب کے کم
غلام ساقی کوثر ہوں ، مجھ کو غم کیا ہے
سخن میں خامہ غالب کی آتش فشانی
یقین ہے ہم کو بھی ، لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

علاقہ محبت ازلی و برحق مانکر اور پیوند غلامی جناب مرتضی علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں کہ بینائی اگر چہ سبکو عزیز ہیہ مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے مانا کہ روشنائی اس ایک اجارے میں آئی ہے۔ یہ[1] بھی دلیل آشنائی

[1] بینائی بے شنوائی

ہے۔ کیا فرض ہے کہ جبتک دید وا دید نہ ہولے اپنے کو بیگانہ یک رگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست، دیرینہ ہیں۔ اگر سمجھیں سلام لکھا تھا۔ آپ کی نظر سے گزر گیا ہے۔ احیانا اگر نہ دیکھا ہو تو اب مرزا تفتہ سے لے کر پڑھ لیجئے گا اور خط کے لکھنے کے احسان کو اس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئے گا۔

بات میجر جان جوکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ، اس کا شیوہ یہ تھا کہ اردو کے فکر کو مانع آتا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ یہ بھی انھیں میں ہے کہ جن کا میں ماتمی ہوں۔ ہزار ہا دوست مر گیے۔ کس کو یاد کروں اور کس سے فریاد کروں؟ جیوں تو کوئی غمخوار نہیں۔ مروں تو کوئی عزادار نہیں۔

غزلیں آپ کی دیکھیں۔ سبحان اللہ، چشم بدور، اردو کی راہ کے سالک ہو، گویا اس زبان کے مالک ہو، فارسی بھی خوبی میں کم نہیں، مشق شرط ہے۔ اگر کہے جاؤ گے لطف پاؤ گے۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال ہے۔

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی

دہن بر چہرہ زخمے بود، بہ شد

جب آپ نے بغیر خط کے بھیجے مجھے لکھا ہو تو کیونکر مجھے اپنے خط کی تمنا نہ ہو۔ تو اپنا حال لکھیے کو میں نے سنا تھا کہ آپ کہیں گے کہ صدر امین پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین ہیں؟ اس ہنگامے میں آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی، راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھنا ضرور ہے۔ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار روپے مہینا جو ان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا۔ اب بھی ملتا ہے یا نہیں؟

ہائے لکھنو، کچھ نہیں کھلتا لکہ اس بہارستان پر کیا گزری، اموال کیا ہوئے؟ اشخاص کہاں گئے، خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا۔ قبلہ و کعبہ مجتہد العصر کی سرگزشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی۔ امیدوار ہوں کہ جو آپ پر معلوم ہے۔ وہ مجھ پر مجہول نہ رہے۔ پتا مسکن مبارک کا کشمیری بازار سے زیادہ نہیں معلوم۔ ظاہر اسی قدر کافی ہوگا۔ ورنہ آپ زیادہ لکھتے۔

میرزا تفتہ کو دعا کہیے گا اور ان کے اس خط کے پہنچے کی اطلاع دیجئے گا جس میں آپ کے خط کی انھوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام

(۲)

خود شکوہ دلیل رفع اذار بس است
آید بہ زبان ہر آنچہ از دل برود

اغدر کے فرزند راجہ جیت سنگھ والی بنارس چیت سنگھ وارن ہیسنگز کی سختیوں سے تنگ آ کر بنارس سے نکلا تو گوالیار میں جا بیٹھا تھا۔ وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا بلوان سنگھ اور رانی آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ راجہ بلوان سنگھ مرزا غالب اور حاتم علی بیگ مہر کے دوست تھے اور آخر الذکر کے شاگرد تھے۔ راجہ تخلص کرتے تھے۔ ۳ان سے مراد غالبتا مجتہد العصر سید محمد ن غفران ماب سید دلدار علی ہیں۔

بندہ پرور!

فقیر شکوے سے برا نہیں مانتا۔ مگر شکوے کے فن کے سوا ے میرے کوئی نہیں جانتا۔ شکوے کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے منہ نہ موڑے اور معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے ا۔ کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کا فرخ آباد جانا معلوم ہو گیا تھا۔ اس واسطے آپ کو خط نہیں لکھا؟ کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصے میں کئی خط بجھوائے اور وہ الٹے پھر آئے ؟ آپ شکوہ کا ہے کو کرتے ہیں۔ اپنا گناہ میرے ذمے دھرتے ہیں۔ نہ جاتے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں۔ نہ وہاں جا کر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اس کا جواب بجھوایا۔ کہیے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں۔ پس دردمندوں کو زیادہ ستانا اچھا نہیں۔ مرزا تفتہ سے آپ

فقط کے خط نہ لکھنے کے سبب سرگراں، میں یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ وہ ان دنوں کہاں ہیں۔ آج توکلت علی اللہ۔ سکندر آباد خط بھیجتا ہوں۔ دیکھوں۔ کیا دیکھتا ہوں۔

۵۔ مارچ ۱۸۵۸ء

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۳)

صاحب میرے،

عہدہ وکالت مبارک ہو، موکلوں سے کام لیا کیجئے۔ پریوں کو تسخیر کیا کیجئے۔ مثنوی پہنچی۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے۔ انداز اچھا۔ روز مرہ صاف۔ جشنوں کا استغاثہ کیا کہوں کیا مزہ دے رہا ہے:

بگم صاحٔ پھوڑے میں پھنسا یا
چھٹا بیگم نے بے حرمت کرایا لے

اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ۳ کر دیا۔ بیان بخشایش ہے۔ ہم گنہ گاروں ل تک کیوں کر پہنچے گا۔ مگر اس راہ سے

کہ مستحق کرامت گناہ گا راند

"بخشش" کا موقع ہوں۔ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر ہے اور مضمون اس کا کیا ہے۔

میرزا یوسف علی خاں آٹھ دس مہینے سے مع اہل و اطفال اسی شہر میں مقیم ہیں۔ ایک ہندو امیر کے گھر پر مکتب کا سا طور کر لیا ہے۔ میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لے لیا ہے۔ اس میں رہتے ہیں انکو خط بھیجو تو میرے مکان کا پتا لکھ دینا اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامے پر محلے کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام قصہ تمام، ہاں یا عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتا ضرور ہے۔ دو دو روز سے "شعاع مہر" کو دیکھ رہے ہیں۔ اکثر تمہارا ذکر خیر

۱؎ شکوے کی کتنی عمدہ جامع تعریف ہے کہ بات سچی کہے اور دوسرے کے لیے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے۔ ۲؎ یہ شعر شعاع مہر کا ہے جس نے پہلی مثنویوں کو تقویم پارینہ کر دیا۔ ۳؎ پرانی جنتری جو بالکل بے کار ہوتی ہے۔ ۴؎ میر کی ایک مثنوی۔

رہتا ہے۔ وہ نواب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں۔ رات کو پہر چھ گھڑی کی نشست روز رہتی ہے۔ ابھی یہیں سے اٹھ کر گئے ہیں۔ تم کو سلام اور شعاع مہر کے مداح اور بیان بخشائش کے مشتاق ہیں۔

۱۸۵۸ء

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۴)

بھائی صاحب،

تمہارا خط اور قصیدہ پہنچا۔ اصل خط تمہارا لفافے میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیج دیا تا کہ حال انکو مفصل معلوم ہو جائے۔ بعد اس رپورٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ پروردگار بہ تصدق ائمہ اطہار پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے اور منصب ہائے خطیر ار مدارج عظیم کو پہنچا دے۔ واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرات کی۔ فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلے تھے۔ بات پیدا کی۔ مگر اپنی مروی و مردانگی سے، دولت کا بات آنا مع نیکنامی۔ اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں۔ اب یقین یہ ہے کہ خدمت منصبی ملے اور جلد ترقی کرو۔ ایسا کہ سال آیندہ تک صدر الصدور ہو جاؤ۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل ہے۔ نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے، تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے۔ اب یہ ایک زمانہ ہے کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالی وہ دن بھی آ جائے گا کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بے کار ہو جائے، زبان بر سر گفتار آئے۔ انشا اللہ تعالیٰ وہ دن بھی ضرور آ جائے گا کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کرتیں قلم بے کار ہو جائے۔ زبان بر سر گفتار آئے۔ انشاء اللہ تعالی وہ دن بھی آ جائے گا۔ کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بے کار ہو جائے۔ زبان بر سر گفتار آئے۔ انشاء اللہ خاں کا قصیدہ بھی میں نے دیکھا ہے۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے۔ اور اچھا سماں باندھا ہے۔ زبان پاکیزہ، مضامین اچھوتے، معانی

نازک، مطالب کا بیان دلنشین زیادہ کیا لکھوں۔

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۵)

بندہ پرور،

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آپ کی مہر انگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلایا۔ کہاں دھیان لڑا ہے۔ کہاں سے دستنبو۔ کی مناسبت کے واسطے، ید بیضا ڈھونڈا نکالا ہے آفریں، آفریں تیسرا مصرع اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے[۳]

نامہ خود سال خویش داد نشاں

مرزا تفتہ کا خط ہاترس سے آیا۔ ان کے لڑکے بالے اچھے ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ وہ آئے کے آئے۔ اگر تمہیں بدوں ان کے آرام نہیں تو ان کو بغیر تمہارے چین کہاں؟

---

[۱] میرزا مہر نے غدر میں چند انگریزوں کی جان بچائی تھی۔ جس کے صلے میں گراں بہا خلعت اور دو گانوں جاگیر میں ملے تھے۔ ان فقروں میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ [۲] مغل جان طوائف میں سے تھی۔ سنا ہے کہ گاتی بہت اچھا تھی۔ [۳] ظاہر یہ مطلب ہے کہ میرزا مہر نے۔ دستنبو کی تاریخ لکھی تھی جس میں ید بیضا کے الفاظ بھی تھے۔ دستنبو، اور ید بیضا کی مناسبت ظاہر ہے

صاحب بندہ، اثنا عشری ہوں، ہر مطلب کے خاتمے پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔ تم جو مجھ سے محبت کرو گے یا میری غمگساری میں محنت کرو گے۔ کیا تم کو غیر جانوں جو

تمہارا احسان مانوں، تم سراپا مہر و وفا ہو۔ واللہ اسم بامسمے ہو۔

مبالغہ اس لیے کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں کہ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے۔ صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے اگر غلب ہو جائے تو پھر وہ عبارت نری خرافات ہے۔ بارے سبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے، صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔ سب طرح میرے پسند آئی۔ چنانچہ ان کو لکھ بھیجا ہے۔ اگر ہو سکے تو سیاہی ذرہ اور بھی رنگت کی اچھی ہو۱۲

حضرت، چار جلدیں یہاں کے حکام کو دوں گا۔ اور دو جلدیں ولایت کو بھیجوں گا۔ اللہ اللہ کیا غفلت ہے اور کیا اعتماد ہے زندگی پر بہ ہر حال یہ ہوس تھی اور شاید اب بھی ہو کہ اب چھ جلدوں کی کچھ تزین اور آرائش کی جاوے۔ آپ اور بھائی صاحب اور ان کا فرزند شید منشی عبداللطیف اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں اور یہ اجلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا جاوے۔ معہذا دو دو رہے کتاب سے زیادہ مقدور نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ چار جلدیں چھ روپے میں اور دو جلدیں چھ روپے میں تیار ہوں۔ پھر سوچتا ہوں کہ یا رب آرائش کی گنجائش کہاں، ناچار د چار کتابوں کی جلد ڈیڑھ روپے کی اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپے کی بنائی جائے۔ قصہ مختصر کچھ کیا جائے یا یہی کہہ دیا جائے کہ تیری رائے کونسل میں مقبول اور صرف چھ جلدوں کی تیاری منظور ہوئی۔ بارہ روپے بھیج دے ۱۲ مطالب اور مقاصد تمام ہوئے اور ہم تم بہ زبان قلم باہم گرم کلام ہوئے۔

ستمبر ۱۸۵۸ء

(۲)

بھائی صاحب،

ازروے تحریر مرزا تفتہ آپ کا چھ کتابوں کی تزین کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہونا ۔پھر بھائی منشی نبی بخش صاحب نے دوبار لکھا کہ میں باجمال لکھتا ہوں ۔ مفصل میزا حاتم علی صاحب نے لکھا ہوگا۔ان کے دو خط آ گئے ۔میرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو ان کا خط کیوں نہ آتا؟ اپنے حسن اعتقاد سے یوں سمجھا کہ نہ لکھنا بمقتضاے یک دلی ہے ۔جب اپنا کام سمجھ لیے تو مجھ کو لکھنا کیا ضرور ہے؟ مگر اس کو کیا کروں کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں۔

مطبع اخبار، آفتاب عالمتاب، میں یکم ستمبر ۱۸۸۵ء حال سے حکیم احسن خاں کا نام لکھوا دینا اور نمبروں کا اخبار ایک بار بھجوا دینا اور آیندہ ہر ہفتے اس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا۔کیوں صاحب یہ امر ایسا کیا دشوار تھا کہ آپ نے

۱۔دستنبو جو آگرہ میں چھپ رہی تھی ۔ ۲۔یعنی میرزا تفتہ، میرزا مہر، منشی نبی بخش حقیر، منی شیو نرائن آرام کی مجلس شوریٰ۔

نہ کیا، اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی؟ ابھی شکایت نہیں کرتا ۔پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور مقتضی شکایت ہیں یا نہیں؟ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ لکھ چکا ہوں ۔کیا انھوں نے وہ خط تم کو نہیں پڑھایا ۔ہرچند عقل دوڑائی ۔کوئی ورنگ کی وجہ نہیں آئی ۔اب حصول مدعا سے قطع نظر ۔یہ سوچ ۔رہا ہوں کہ دیکھوں چھ مہینے بعد، برس دن بعد، اگر مرزا صاحب خط لکھتے ہیں تو اس امر خاص کا

کا ے جواب لکھتے ہیں ۔ میں بھی شاعر ہوں ۔ اگر کوئی مضمون ہوتا تو میرے خیال میں آ جاتا ۔ کوئی عذر ایسا میرے ذہن میں نہیں آ تا کہ قابل سماعت کے ہو ۔ میں بھی تو دیکھوں تم کیا لکھتے ہو؟

۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۷)

مرا به سادہ دلیہاے من تواں بخشید
خطا ، نموچ ام و چشم آفریں دارم

کل دوشنبہ کا دن ۲۰ ستمبر کی تھی۔صبح کو میں نے آپ کو شکایت ن امہ لکھا او ربیر نگ ڈاک میں بھیج دیا۔دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں۔وہ نہیں پہنچا کچھ شکوے سے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ لگانے لگا۔بکس میں سے تمہارے نام کا خط نکل آیا۔اب میں سمجھا کہ خط لکھ کر بھول گیا ہوں اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔

سبحان اللہ،جلد کی آرائش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔میرے دل میں بھی ایسی ہی باتیں تھیں۔یقین ہے کہ متاع شاہوار ہو جائیں گی۔اہامہرہ اگر ہو جائے گا تو حرف خوب چمک جائیں گے۔اس کا خیال ان چار جلدوں میں بھی رہے۔بارہ روپے کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کر کے مجھ کو اطلاع دیجئے گا۔ورنہ میں مشوش رہوں گا۔

حضرت یہاں دو چیزیں مشہور رہیں۔ان کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں۔ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں۔آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے اور ڈھنڈورا

پٹ گیا ہے کہ کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور بادشاہی عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ کہ جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سکرٹر اکبر آباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ خبریں دونوں اچھی ہیں۔ خدا کرے سچ ہوں اور سچ ہونا ان کا آپ کے خط لکھنے پر منحصر ہے۔

ہاں صاحب ایک بات اور ہے اور وہ محِ غور ہے۔ میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان ، دنوں میں لکھا ہے۔ تہنیت فتح ہند اور عملداری شاہی۔ ساٹھ بیت ہے۔ منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور

۱۔ شکایت کا کتنا بدیع اسلوب ہے کہ مخاطب سے کہہ رہے ہیں۔ ابھی شکایت نہیں کر رہا۔ صرف یہ پوچھتا ہوں کہ آیا یہ بات مقتضی شکایت ہے یا نہیں۔ ۲۔ ابار، لئی کو کہتے ہیں جو کاغذ پر پھیر کر وصلی بناتے ہیں۔ پھر اس کا مہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ ابار مہرہ کہلاتا ہے۔

کاغذ مذہب ابر پر لکھ بھیجوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ دس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے یعنی چھاپا ہوئی ہے اگر چہ یہ چھ صفحے یعنی تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز میں شامل ہو جائیں تو بات اچھی ہے۔ آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ، منشی شیو نرائن صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں اور پر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیج دوں جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے۔

دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے۔ دوسری یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو اور پہلے صفحہ پر اس طرح کتاب کا نام

چھاپتے ہیں اسی طرح یہ بھی چھاپا جائے کہ قصیدہ، درمدح جناب ملکہ انگلستان خلد اللہ علاکہا۔ میرا نام کچھ ضرور نہیں۔ کتاب کے پہلے صفحے پر تو ہوگا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس کا مطلب خاص کا جواب باصواب، یعنی نوید قبول جلد لکھیے!

(۲۱،ستمبر ۱۸۵۸) غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۸)

بھائی صاحب،

خدا تم کو دولت و اقبال روز افزوں عطا کرے اور ہم تم ایک جگہ رہا کریں۔ خدا کرے قصیدے کے چھاپے کی منظوری اور ہنڈوی کی رسید آئے۔ گویا صفر کے مہینے میں عید آئے۔ ہنڈوی کا روپیہ جب چاہو منگوا لو اور کتابوں کی لوحیں اور جلدیں موافق اپنی رائے کے بنوا لو۔

اب آپ دوورقے کا ڈاک میں بھیجنا موقوف رکھیں اور کتابوں کی درستی پر ہمت مصروف رکھیں۔ قصیدے کے مسودے کا ورق مرزا تفتہ کے خط میں پہنچ گیا ہوگا۔ آپ نے اور مرزا تفتہ نے اور بھائی نبی بخش صاحب نے قصیدے کو دیکھا ہوگا۔ قصیدے کا شامل کتاب ہونا بہت ضرور ہے۔ یہ دیکھا چاہیے کہ صاحب مطبع کو کیا منظور ہے۔ اگر وہ کاغذ کی قیمت کا عذر کریں تو ہم پانچ سات روپے سے اور بھی ان کا بھرنا بھریں گے۔

جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر سے میں صورت آشنا نہیں۔ کبھی میں نے انکو دیکھا نہیں۔ خطوں کی میری انکی ملاقات ہے اور نامہ و پیام کی یوں بات ہے کہ جب کوئی نواب گورنر جنرل بہادر نئے آتے ہیں تو میری طرف سے ایک قصیدہ بطور نذر جاتا ہے۔ بے ذریعہ جناب صاحب ایجنٹ بہادر دہلی اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ بھجواتا ہوں اور صاحب سکرتر بہادر گورنمنٹ کا خط اس کی رسید میں بسبیل ڈاک پاتا ہوں۔ جب لارڈ کے ننگ صاحب بہادر تے کرسی گورنری پر

جلوس فرمایا تو موافق دستور کے قصیدہ ڈاک میں بھجوایا۔ ایڈمنسٹن صاحب[2] بہادر چیف سکرتر کا جو مجھ کو خط آیا تو انھوں نے

---

[1] سنہری کاغذ، اس زمانے میں عام طریقہ یہی تھا کہ پادشاہوں کے قصیدے سنہری یا افشانی کاغذ پر لکھے جاتے تھے۔[2] سر جارج فریڈرک ایڈمنسٹن (۱۸۱۳ء۔۱۸۶۴ء) مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد فنانشل کمشنر پنجاب (۱۸۵۳ء) وزیر خارجہ حکومت ہند پھر لفٹنٹ گورنر صوبہ شمالی و غربی (۱۹ جنوری ۱۸۵۹ء۔ ۲۷ فروری ۱۸۶۳ء)

باوجود عدم سابقہ معرفت میرا القاب بڑھایا۔ قبل ازیں خاں صاحب بسیار مہربان دوستان میرا القاب تھا۔ اس قدر شناس نے از راہ قدر افزائی خاں صاحب مشفق بسیار مہربان مخلصان لکھا۔ اب فرمایئے۔ ان کو کیوں کر اپنا محسن و مربی نہ جانوں؟ کیا کافر ہوں جو احسان نہ مانوں؟

برخوردار میرزا تفتہ کو دعا کہتا ہوں۔ بھاء اب میں اس کا منتظر رہتا ہوں کہ تم اور میرزا صاحب مجھ کو لکھو کہ لو صاحب، دستنبو، کا چھاپا تمام کیا گیا اور قصیدہ چھاپ کر ابتداء میں لگا دیا گیا۔ مادہ تاریخ میں کیا برائی ہے۔ جو تمہارے جی میں یہ بات آئی ہے کہ مجھ سے بار بار پوچھتے ہو۔ مادہ اچھا ہے۔ قطعہ لکھوا اور خاتمہ کتاب پر لگا دو۔ ایک قطعہ میرزا صاحب کا۔ ایک قطعہ تمہارا۔ یہ دونوں قطعے رہیں اور اگر وہاں کوئی اور صاحب شاعر ہوں تو وہ کہیں۔ اس عبارت سے یہ نہ سمجھنا کہ روے سخن ساری خدائی کی طرف ہے۔ بلکہ خاص یہ اشارہ بھائی کی طرف ہے۔ مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہیے اور ان کا نام بھی اس کتاب میں چاہیے۔ اس خط کو لکھ کر بند کر چکا

تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے مشفق منشی شیونرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدے کا مسودہ پہنچ گیا۔ اور منشی صاحب نے اس کا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہو گئی۔ اب ان سے میرا سلام کہیے گا اور یہ کہیے گا۔

شکر رافت ہائے تو چندانکہ رافت ہائے تو

اور یہ انکو اطلاع دیجیے گا کہ اخبار کا لفافہ ہرگز مجھ کو نہیں پہنچا۔ ورنہ کیا امکان تھا کہ میں رسید نہ لکھتا۔

(۲۹۔ ستمبر ۱۸۵۸)

غالب

(۹)

شفیق بالتحقیق مولانا مہر زرہ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ آج یا کل پہنچ جائے گا۔ رات ایک بات اور خیال میں آئی ہے لیکن چونکہ تحکم وکارفرمائی ہے۔ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں طلائی لوح کی ولایت کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہونگی،

انکی صورت یہی ٹھیری ہے کہ سیاہ قلم کی لوح اور انگریزی جدل۔ کیوں بھائی صاحب قرارداد اور تجویز یہی ہے۔ اور پھر سمجھا چاہے کہ یہ چار جلدیں کس کس کی نظر ہیں؟ نواب گورنر جنرل بہادر، چیف کمشنر بہادر، صاحب کمشنر، بہادر دہلی، ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی، یہ کیا میری بدوضعی ہے کہ جناب ایڈمنسٹن صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انھیں کی معرفت بھیجوں گا۔ نہ صاحب ایک جلد ان کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ گنجائش نکال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں۔ ایک اور بھی ایسی ہی بنوالیں۔ یقین ہے کہ آپ اس رائے کو پسند فرمائیں گے اور چار کی جگہ پانچ بنوالیں گے۔ یہ عرض مقبول اور یہ گستاخی کہ بار بار آزاد دیتا ہوں۔ معاف ہو[1]

۳۰ ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

---

[1] یہ رقعہ میرزا تفتہ کے رقعے میں ملفوظ بھیجا تھا۔ اس لیے اردوئے معلی میں خطوط تفتہ میں درج ہو گیا چونکہ اصل رقعہ میرزا مہر کے نام تھا۔ لہذا میں نے اسے الگ کر کے

خطوط مہر میں شامل کر دیا ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۰)

بھائی صاحب،

آپ کے خامہ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آواز یہاں تک پہنچایا، بلکہ مجھ کو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا۔ کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا کہ مجھ کو تو بموجب اس مصرع کے:

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے!

حضرت، مدح کو ایک موقع ضرور ہے، مجھ کو آپ کے حکم کا بجالانا منظور ہے۔ اس نظر کے پہنچنے کے بعد جب کوئی ان کا عنایت نامہ آئے گا تو بندہ درگاہ مدح گستری کا جوہر دکھائے گا۔ اس نظم میں آپ کا ذکر خیر بھی آ جائے گا۔ اب یہ تو فرمایئے کہ مدت انتظار کب انجام پائے گی اور کتابوں کی خبر مجھ کو کب آئے گی۔ آپ کی فرط توجہ کا مجھے سب طرح یقین ہے۔ سیاہ قلم کی پانچوں لوحیں بھی اگر بن گئی ہوں تو عجب نہیں ہے۔ جلدون کا بنانا البتہ چھاپے کے اختتام پر موقوف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی نبی بخش صاحب اور ہمارے شفیق منشی شیونرائن صاحب کی ہمت اس کے جلد انجام ہونے پر مصروف ہے۔ یارب اسی اکتوبر کے مہینے میں یہ کام انجام پا جائے اور چالیس جلدوں کا پشتارہ میرے پاس آ جائے۔

میرزا تفتہ کو کیا دوں اور کیا لکھو، مگر دعا دوں اور دعا لکھوں۔

صاحب، اب ڈھیل نہ کرو، کام میں تعجیل کرو:

اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

خدا کرے نثر کی تحریر انجام پا گئی ہو اور قصیدے کے چھاپنے کی نوبت آ گئی ہو۔ قصیدے کا نثر سے پہلے لگانا، از راہ کرم و اعزاز ہے، ورنہ نثر میں اور صنعت اور نظم، کا اور انداز ہے۔ یہ اس کا دیباچہ کیوں ہو؟ بلکہ صورت ان دونوں کے اجماع کی یوں ہو کر سر رشتہ آمیزش توڑ دیا جائے اور قصیدے کے اور دستنبو، کے بیچ میں ایک ورق سادہ چھوڑ دیا جائے۔

رائے امید سنگھ کا کوئی خط اگر اندور سے آیا ہو تو مجھ کو بھی آگہی دو۔ چاہو تمہیں ابتدا کرو اور ایک خط ان کو لکھو اور اس کا پرواز اس بات پر رکھو کہ اب وہ کتابیں تیار ہونے کو ہیں۔ آپ کی خدمت میں کہاں بھیجی جائیں اور کیا پتا لکھا جائے؟ یہ خط جواب طلب ہو جائے گا اور ان کو جواب لکھنا پڑے گا۔

غالب (اکتوبر ۱۸۵۸)

مرزا صاحب،

میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابوں کا بیوارا بھجوایا۔

مرزا تفتہ نے ہاترس سے یہ خبر دی کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کے آغاز کے ان کو دے آیا ہوں۔ اور انھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ وہ کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے پھر اب ان دو کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد لینے مہنائی سات جلدوں کے اسی ہفتے میں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔ اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئیں گی، ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو۔ مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔ خدا کرے ان تینتیس جلدون کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایتی بھی آئیں تا خاص و عام کو جا بجا بھیجی جائیں۔

میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاءالدین خاں اور نواب حسین

مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انھوں نے لکھ لیا۔ ان دونوں کے گھر لٹ گئے ۔ ہزاروں روپے کے کتب خانے برباد ہو گئے ۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو وہ خوش آواز بھی ہے۔ اور زمزمہ پرواز بھی ہے ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اس نے جو وہ کاغذ مجھ کو دکھایا۔ یقین سمجھا کہ رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس خط کا جواب چاہتا ہوں۔

غزل

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا ، برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشاہ ہو ،اگلا نہ ہو ا
رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے ؟
لے کے دل ، دلستان روانہ ہوا
زخم گرداب گیا، لہو نہ تھما
کام گر رک گیا ، روانہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا ؟
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگ ی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی ، دی ہوئی اسکی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

بھائی صاحب،

مطبع میں سے سادہ ل کتابیں، یقین ہے کہ آجکل پہنچ جائیں اور پس و پیش سات جلدیں آپ کی بنوائی ہوئی آئیں۔

بالفعل ایک اور عقدہ سر رشتہ خیال میں پڑا ہے۔ یعنی از روے اخبار مفید خلائق زہن لڑا ہے اس ہفتے میں جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر آگرہ آئیں گے اور سادہ لفٹنٹ گورنری اجلاس فرمائیں گے۔ اس صورت میں اغلب ہے کہ ولیم میور صاحب بہادر ان کی جگہ چیف سکرتر بن جائیں۔ پھر دیکھیے کہ محکملہ لفٹنٹ گورنری میں اپنا سکرتر کس کو بنائیں گے۔ میر منشی اس محکمہ کے تو وہی منشی غلام غوث خاں بہادر رہیں گے۔ دیکھیے ہمارے منشی مولوی قمر الدین خاں کہاں رہیں گے۔ بہر حال آپ سے یہ استدعا ہے کہ پہلے کتابوں کا احوال لکھیے اور پھر جدا جدا جواب ہر سوال لکھیے گا۔ جب تک ایڈمنسٹن صاحب بہادر چیف سکرتر تھے تو یہ خیال بھی آتا تھا کہ ان کی نذر اور نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر یعنی دو کتابیں مع اپنے خط کے ان کے پاس بھیجوں گا۔ اب حیران ہوں کہ کیا کروں؟ آیا انکی جگہ سکرتر کون ہوا۔ اور یہ جو لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ تو انھوں نے سکرتر کس کو کیا؟ میر منشی لفٹنٹ گورنر کون رہا اور گورنر جنرل کا میر منشی کون ہے؟ جو آپ کو معلوم ہو، وہ اور جو نہ معلوم ہو وہ دریافت کر کے لکھیے۔ قمر الدین خان کا حال ضرور، منشی غلام غوث خاں کا حال پر ضرور۔ بھائی، میرے سر کی قسم، اس خط کا جواب ضرور لکھنا۔ اور ایسا واضح لکھنا کہ مجھ سا کندہ

ذہن اچھی طرح اس کو سمجھ لے۔ زیادہ کیا لکھوں؟

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بھائی صاحب،

تیئتیس کتابیں بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیونرائن کی، کل جمعہ کے دن ۱۲، نومبر کو پہنچیں۔ کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر میں نے از روے یقین جانا ج کہ طلائی کام پر یہ کتابیں طاؤس بن جائیں گی، حوریں انکو دیکھ کر شرمائیں گی۔ یہ تو سب درست، مگر دیکھیے مجھ کو ان کا دیکھنا کب تک میسر ہو؟ آپ پر گمان تساہل کا گزرے، یہ تو کیوں کہ ہو؟ ہاں صحاف جلد کے بنانے کی نسبت سے میرے حق کا جلاد نہ بن جائے۔ یعنی مدت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے۔

اور ہاں حضرت کچھ ایسی پختگی ارسال کے وقت کر لیجئے گا کہ وہ پارسل آشوب تلف سے محفوظ رہے۔ بہت عزیز اور بہت کام کی چیز ہے۔ مجھ کو وہ ایک ایک مجلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یا الٰہی یہ خط راہ میں ہو اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ و امان میں مجھ تک پہنچ جائے۔ اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھیے۔ اس میں مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے:

یارب ایں آرزوے من چہ خوش است
تو بدیں آرزو مرا برساں ؎

مرسلہ شنبہ، ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

---

۱ مسند ۔ ؎ یہاں جامعین مکاتیب نے جواب ہر سوال کا لکھیے بنا دیا۔ حالانکہ نا، غالب نے یقیناً نہ لکھا ہوگا۔ انھوں نے احوال لکھیے کے مقابل میں جواب ہر سوال

لکھیے۔رقم کیا ہوگا اور یہی صحیح ہے۔کا بڑھا دینے سے تحریر کا طبعی حسن زائل ہو جاتا ہے۔۳۔یہ خط مہر کے نام تھا۔اگرچہ میرزا تفتہ کے خط میں ملوف بھیجا گیا تھا۔لیکن جامعین مکاتیب نے اسے

(باقی بر صفحہ ۱۹۰)

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بھائی جان،

کل جو جمعہ روز مبارک وسعید تھا۔ گویا میرے حق میں روزعید تھا۔ چار گھڑی دن رہے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد، وقت شام:

سات جلدوں کا پارسل پہنچا

واہ کیا خوب بہ محل پہنچا

آج کا موافق اس کی تمنا کے آرزو برآنی بہت محال ہے میری آرزو ایسی بر آئی کہ وہ برتر دوہم وخیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گزرتا تھا میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ جلدیں بندھی ہوئی۔ دو کی لوحیں زریں اور پانچ کی لوحیں سیاہ قلم کی ہوں گی۔ واللہ، اگر تصور میں بھی گزرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہوں گی۔ جب تک جہان ہے۔ تم جہان میں رہو۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی امان میں رہو۔ میرا مقصود یہ تھا کہ ایک کتاب مثل ان چار کے بن جائے۔ نہ یہ کہ دو کتابوں کا سارنگ دکھلائے۔ اب میں حیران ہوں کہ آیا شار ائمہ نے ان بارہ روپے میں بر کت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ وہ پارسلوں کا محصول دو رجٹریوں کا معمول۔ تین کتابوں کی لوحیں طلائی، یہ ساری بات اس روپے میں کیونکہ بن آئی۔ اور کیوں کہ معلوم کروں؟ کس سے پوچھوں؟ خدا کرے تم تکلف نہ کرو اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو۔ خفقانی آدمی کو بغیر حال معلوم ہوئے یا کیے معلوم ہوئے یا کیے آرام نہیں۔ جہاں محبتیں دینی اور روحانی ہوں وہاں تکلف کام نہیں آتا

۔اس سے کہ شکر گزار ہوں۔اور شرمسار ہوں کیا لکھوں؟

چارہ خاموشی است چیزے را کہ از تحسیں گزشت

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۵)

بندہ پرور!

آپ کا خط پہنچا آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں، مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے۔ کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم واندوز کا شکن گزار پایا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے۔ تو شکایت کی کیا گنجائش ہے۔ بلکہ یہ غم تو نصیب دوستاں درخور افزائش ہے۔ بقول غالب علیہ الرحمتہ،

کسی کو دے کیدل ، کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو ؟
نہ ہو جب دل پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو ؟

ہے ہے حسن مطلع:

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۸۹) ۔ میرزا تفتہ کے خطوں میں شامل کر دیا۔ حالانکہ ۱۳۔ نومبر کو تفتہ کو جو خط بھیجا گیا تھا وہ الگ تھا اور اس میں ۳۳ کتابوں کی رسد ہے نیز اس ایسد کا اظہار کہ میرزا حاتم علی مہر والی کتابیں بھی جلد پہنچ جائیں گی۔ تعجب ہے کہ منشی مہیش پرشاد صاحب بھی جامعین مکاتیب کی اصلی غلطی کو نہ سمجھ سکے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ؟
ہو اتو دوست جس کا دشمن اس کا آسماں کیوں ہوا؟

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔

اگر خدانخواستہ باشد غم دینا ہے تو بھائی ہمارے ہم درد ہو، ہم اس بوجھ کو مردانہ

وار اٹھا رہے ہیں۔ تم بھی اٹھاؤ اگر مرد ہو۔ بقول غالب مرحوم:

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریہ سحری ہے۔ نہ آہ نیم شبی ہے۔

"سحر ہو گی خبر ہو گی اس زمین میں دو شعر یعنی:

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر
جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہو گی

کتنا خوب ہے اور اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے؟ قصیدے کا مشتاق ہوں۔ خدا کرے کہ جلد چھاپا جائے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آ جائے۔ کیا کہیے۔ بھلا کہے یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی:

کہوں جو حال، تو کہتے ہیں مدعا کہیے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہیے

اور جو، فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یہ سحر ہے۔ اس میں میرا ایک قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین[؟] ایک میرے دوست تھے۔ انھوں نے مجلس میں ایک چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ، اپنے کف دست میں وہ ڈلی ان سے لی۔ اب سوچ رہا ہوں۔ جو شعر یاد آتے جاتے ہیں لکھتا جاتا ہوں:

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بہ دندان کہ اسے کیا دیکھیے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے
اختر ختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلی کہیے

---

[1] مروجہ دیوان میں ہے:

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

---

[2] مولوی کرم حسین بلگرامی شاہ اودھ کی طرف سے کلکتہ میں سفیر تھے۔ شمس العلماء سید علی بلگرامی اور نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کرم حسین کے پوتے تھے۔

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے
سر پستان پری زاد سے مانا کہیے [1]

غرض بیس بائیس پھبتیاں ہیں۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں۔ آخری بیت ہے:

اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

لو حضرت آپ کے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب میرا دردِ دل سنو۔ برخوردار منشی شیونرائن نے میرے دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور وہ خطوط طلب تھے۔ تم ان کو میری دعا کہو اور کہو کہ میاں میرا کام بند ہے۔ اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر ہو کتاب بن چکی ہے تو جلد بھیجو اور اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کو لوح کی ہے یا طلائی؟

خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ میرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کر کے بھیج دیا ہے، میں نے منشی شیو نرائن کو بھیجا ہوا اصل خط دیکھ لیا ہے۔ اگر تم جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری یا انشاء خلیفہ۔ اپنے سامنے رکھ لیا کرو۔ جو عبارت اس میں سے پسند آیا کرے۔ اپنے خط میں لکھ دیا کرو۔ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمہارے خط کے آنے کے نام ہو جایا کرے گا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا۔ اس کا دیکھنا مشاہدہ اخبار پر موقوف رہا۔

برات عاشقاں بر شاخ آہو

واقعی، جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ صاحب، ہوش میں آؤ اور مجھ کو

۱؎ یہ شعر اصل میں یوں ہے:

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے
سر پستان پری زاد سے مانا کہیے

اس کے باقی اشعار یہ ہیں:

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے

وضع میں اسکو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ میں سبزہ نوخیز مسیحا کہیے
کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے
کیوں اسے نقطہ پرکار تمنا کہیے
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمک دیدہ عنقا کہیے
کیون اسے تکمہ پیراہن مجنوں لکھیے
کیوں اسے نقش پے ناقہ لیلی کہیے

بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دکانوں میں فرنچ اور شام پین کے درجن دھرے ہوئے ہیں یا ساہوکاروں اور جوہریوں کے گھر روپے اور جواہر سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں کہاں وہ شراب پینے جاؤں گا اور وہ مال کیوں کر اٹھاؤں گا؟ بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوائیے۔ میں نے کتابیں جا بجا بسبیل پارسل ارسال کی ہیں۔ اگر چہ پہنچنے کی خبر پائی ہے۔ مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا!

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیسا ہے؟

جور سے باز آئے۔ پر باز آئیں کیا ؟
کہتے ہیں یار سے اٹھ جائیں کیا؟

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے ؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

غزل ناتمام ہے!

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم، جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جان اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھا تا ہوں میں اک داغ نہاں اور
ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر ، مگر اس کی ہے کماں اور
یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
ہر چند سبک دست ہوں بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور [۱]

---

۱ اس کے باقی دو شعر یہ ہیں:

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں گے
عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں گے؟ [۲]

---

۲ اس میں سے دو شعر چھوڑتے ہیں: (باقی صفحہ ۱۹۴ پر)

دوشنبہل کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہے۔ انگیٹھی رکھی ہوئی ہے آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اشعار یاد آ گئے تم کو لکھ بھیجے۔ والسلام

۲۰ دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۷)

شرط اسلام بود ورزش ایماں بالغیب

اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

حلیہ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ میرزا یوسف علی خاں عزیز نے جو کچھ تم سے کہا۔ اس کا منشاء کیا ہے؟ کبھی میں نے بزم احباب میں کہا ہو گا کہ میرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ طرحدار آدمی ہیں اور بھائی تمہاری طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانے میں کہ وہ نواب حامد علی خاں کے نوکر تھی۔ اور ان میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے ہیں۔

بہ ہر حال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی ہیں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آتا۔ کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو اپنا رنگ یاد آتا ہے۔ تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں، مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آ گئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری۔ بقول شیخ علی خزیں:

تا دسترسم بود، زدم چاک گریباں

شرمندگی از خرقہ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام۔ ملا۔ بساطی، نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقا۔ بھٹیارہ، جولاہا۔ کنجڑا۔ منہ پر داڑھی سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی۔ اسی دن سر منڈوایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا بک رہا ہوں!

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۹۳)

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدہ خونتابہ فشاں اور
لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
کرتا، جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

لے دلی۔

صاحب، بندہ نے دستنبو جناب اشرف الامراء جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر بہادر غرب وشمال کی نذر بھیجی تھی۔ سو ان کا فارسی خط محررہ ہم مارچ مشتمل بر تحسین و آفریں و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آ گیا۔ پھر میں نے تہنیت میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا۔ اس کی رسید میں نظم کی تعریف اور اپنی رضامندی پر متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہار دہم آ گیا۔ پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں جناب رابرٹ منٹگمری صاحب بہادر لفٹنٹ

گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر بہادر دہلی بھیجا تھا۔ کل ان کا مہری خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آ گیا۔ پنسن کے باب میں ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع فراہم ہوتے جاتے ہیں۔ دیر آید درست آید۔ اناج کھاتا ہی نہیں ہوں۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب رات کو مل جاتی ہے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں اور اس غزل کے طالب کا ذوق پکا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی۔ رہا سلام وہ اب پہنچا دیں گے۔

اپریل ۱۸۵۹ء

جناب میرزا صاحب،

دلی کا حال تو یہ ہے:

گھر میں تھا کہ جو ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں ادھر کیا ہے جو کوئی لوٹے گا؟ وہ خبر محض غلط ہے۔ اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے کہ چند روزگوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم او اہل فوج انے بہ اتفاق ہمد گر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے۔ ناسخ مرحوم جو تمہارے استاد تھے۔ میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فنے تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدے اور مثنوی سے انکو کچھ علاقہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدے میں وہ رنگ دکھایا کہ انشاء کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے، کیا کہوں کیا خط اٹھایا۔

خدا میں بھی چاہوں از رہ مہر
فروغ، میرزا حاتم علی مہر

اگر اسی ندازپر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامہ اردو کہلائیگی۔ خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ معیار الشعراء میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا؟ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو، تو امتیاز کیا رہے؟

۔ اسول اور ملٹری ۲۔ سید انشاء اللہ خاں ان کے والد حکیم ماشاء اللہ خاں وری خان کے زمانے میں بعض اہم خدمات پر ماموررہے۔ پھر دہلی آ گئے تھے۔ انشاء کی زندگی کا ابتدائی دور دہلی میں گزرا۔ پھر لکھنو چلے گ ے اور وہاں بڑا نام پایا۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرزا صاحب،

آپ کا غم فزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا۔ یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ انھوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اسکی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت، سخت ملال ہوا۔ اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب، شعراء میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرح نصیب ہو۔ لیلی اس کے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی، مغلچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغلچہ ہوں، عمر بھر ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں۔ مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے بے گانہ محض ہو گیا ہوں۔ لیکن اب بھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامہ عشق مجازی چھوڑ دو۔

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی

عشق م حمد بس است و آل محمد

اللہ بس، ماسوی ہوس

غالب

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میرزا صاحب،

ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر میں۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو کھاؤ، مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی مکھی نہ بنو۔[۲] سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے کیسی اشک افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجالاؤ۔ غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو

---

[۱] میرزا مہر نے اپنی محبوبہ چنا جان کی وفات پر جو خط بھیجا تھا اسے غم فزانامہ کہا[۲] ایک نسخے میں مغلیے کی جگہ مغل بچے دیکھا۔[۳] شہد کی مکھی پھنس کر نکل نہیں سکتی۔ مصری کی مکھی جب چاہے۔ اڑ جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسا تعلق پیدا نہ کرو کہ اس میں الجھ جاؤ۔ واضح رہے کہ مرشد کامل فرضی ہے

تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہوگئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیران ہو جائے گی طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی، وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ۔

زن نو کن اے دوست در ہر بہار

کہ تقوے م پار ری نا ید بکار

میرزا مظہر کے اشعار کی تضمین کا مسدس دیکھا۔ فکر سراپا پسند۔ ز کر بہمہ جہت نا پسند اپنے نام کو اخط مع ان اشعار کے میرزا یوسف علی خاں عزیز کے حوالے کیا۔

مکرمی نواب محمد علی خاں صاحب کی خدمت میں سلام، پرور دگار کو سلامت رکھے۔

مولوی عبدالواہاب صاحب کو میرا سلام۔، دم دے کر مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا، میں منتظر رہا کہ آپ لکھنو جائیں گے۔ وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ ان کے مزاج اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔

کیا جانوں کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں:

یار در خا نہ و من گر د جہاں مے گردم

اب مجھے ان سے یہ استدعا ہے کہ دستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنو نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کا حال جو کچھ معلوم ہو، وہ سب اس خط میں درج کریں۔

غالب ۱۸۶۰ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

منشی شیونرائن آرام

منشی شیونرائن آرام کے پردادا رائے راجہ اگر چند ۱۷۸۴ء کے قریب اجمیر سے آگرہ میں منتقل ہوے اور وہاں راجا چیت سنگھ والی بنارس کے وزیر ہو گئے تھے۔ آرام کے دادا منشی بنسی دھر داروغہ پولیس۔ناظر محکمہ نمک کے سپرنٹنڈنٹ رہے۔آخر میں شہر کے کوتوال بن گئے تھے۔ملازمت سے سبکدوش ہو کر میرزا غالب کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کمیدان کی جائیداد کا انتظام سنبھال لیا۔آرام کے والد منشی نند لال پہلے منصبی میں ناظر بعد ازاں راجا جوتی پرشاد کی سرکار میں مختار عام رہے۔ان کی وفات پر ہرگوپال تفتہ نے مرثیہ کہا تھا۔

منشی شیونرائن ۱۰ ستمبر ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے۔زمانے کے رواج کے مطابق اردو اور فارسی کی تعلیم پائی۔انگریزی مسٹر فیلن سے پڑھی اور خاصی استعداد پیدا کر لی۔بلکہ میرزا غالب کو لکھا تھا کہ کوئی خط یا عرضی انگریزی میں لکھوائی ہو تو مجھ سے لکھوا لیا کیجئے۔آگرہ کالج میں تعلیم پانے کے بعد وہاں پروفیسر بھی رہے۔پروفیسری چھوڑ کر آبکاری اور انکم ٹیکس کے محکموں میں ملازم رہے پھر چنگی کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔دھول پور اور فرولی کی ریاستوں نے بھی انھیں چنگی کی تنظیم کے لیے بلایا۔مفید خلائق۔کے نام سے آگرہ میں ایک مطبع جاری کیا جہاں دستنبو پہلی مرتبہ چھپی۔اصل میں مفید خلائق عالمتاب معیار شعر ابغاوت ہند وغیرہ اخبار بھی نکالتے تھے۔خمخانہ جاوید۔میں ہے کہ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔لیکن ان کی نوعیت معلوم نہ ہو سکی۔آخر میونسپل کمیٹی کے سکرٹری بن گئے تھے

جہاں انھوں نے حسن انتظام کے جوہر دکھائے اور رفاہی کاموں میں بھی نمایاں حصہ لیا ۴ ستمبر ۱۸۹۸ء میں ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے دو فرزند تھے۔ دونوں ڈپٹی کلکٹر بن گئے تھے۔

غالب کے ساتھ ان کا تعلق دستنبو کی اشاعت کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۰ء تک خاصی خط و کتابت رہی۔ پھر یہ سلسلہ گھٹتے گھٹتے مئی ۱۸۶۳ء پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اگر کوئی خط لکھا گیا تو وہ نہیں ملا۔ اسی سلسلے میں بیشتر معلومات مالک رام صاحب کی کتاب تلامذہ غالب سے ماخوذ ہیں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱)

صاحب،

خط پہنچا، اخبار کا لفافہ پہنچا۔ لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی، لفافے بنانا۔ دل کا بہلانا ہے۔ بے کار آدمی کیا کرے۔ بہر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے ہم آپ کا شکر بجالائیں[1] گے۔

ہر چند دوست می رس ، نیکو ست

یہاں آدمی کہاں ہے کہ اخبار کا خریدار ہو۔ مہاجن لوگ جو یہاں بستے ہیں۔ وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ گیہوں کل کہاں سستے ہیں۔ بہت سخی ہوں گے تو جنس پوری تول دیں گے۔ کاغذ روپیہ مہینے کا کیوں مول لیں[2] گے؟

کل آپ کا خط آیا۔ رات بھر میں نے فکر شعر میں خون جگر کھایا۔ اکیس شعروں کا قصیدہ کہہ کر تمہارا حکم بجالایا[3]۔ میرے دوست خصوصا میرزا تفتہ جانتے ہیں کہ میں فن تاریخ کو نہیں جانتا۔ اس قصیدہ میں ایک روش خاص سے اظہار ۱۸۵۸ء کا کر دیا ہے۔ خدا کرے تمہارے پسند آئے۔ تم خود قدر دان سخن ہو اور تین استاد[4] اس فن کے تمہارے یار ہیں، میری محنت کی داد مل جائے گی۔

---

[1] مطلب یہ کہ شیونرائن نے یہ سن کر غالب ہاتھ سے لفافے بناتے ہوئے۔ اپنے پاس سے لفافوں کا بنڈل بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ [2] غالب کی نگارش کا ایک کمال ان چند فقروں سے سورج کی طرح روشن ہے۔ مہاجنوں کی پوری سیرت کا خاکہ مختصر الفاظ میں اس طرح کھینچ رہا ہے کہ اس سے بہتر خاکہ نہیں کھینچا جا سکتا۔ یہ لکھنے کی

ضرورت اس لیے پڑی کی شیوزائن نے اپنے اخبار کے لیے خریدار پیدا کرنے کی درخواست کی ہوگی[۳] یہ قصیدہ شیوزائن نے غالب سے لکھوا کر ایمن برادارن کی خدمت میں پیش کیا تھا[۴] تفتہ، حقیر اور مہر،

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

قصیدہ

ملاذِ کشور و لشکر ، پناہ شہر و سپاہ
جناب عالی ایلن برون والا جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر
کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرف کلاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں
نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
وہ عین عدل کہ دہشت سے جس کی پرسش کی
بنے ہے شعلہ آتش انیس پرہ کاہ
زمیں سے سورج گوہر اٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسن حشمت کا اس کے جولا نگاہ لے
وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں : الٰہی شکر
وہ خشمگیں ہو، تو گردوں کہے خدا کی پناہ
یہ اسکے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش
کہ دشت ، دکن کے اطراف میں بہ ہر سرراہ
ہنر بہ پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا ق
کبھی جو ہوتی ہے الجھی ہوئی دم روباہ ے
نہ آفتاب ، دلے آفتاب کا ہم چشم

نہ بادشاہ دلے مرتبے میں ہمسر شاہ
خدان نے اس کو دیا ایک خوب رو فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہو ابہ پہلوے ماہ
زہے ستارہ روشن کہ جو اسے دیکھے
شعاع مہر درخشاں ہو اس تار نگاہ
خدا سے ہے یہ توقع کہ عہد طفلی میں
بنے گا شرق سے تا غرب اس کا بازی گاہ
جوان ہو کے کرے گا یہ وہ جہاں بانی
کہ تابع اس کے ہوں روز و شب و سپید و سیاہ ہے
کہے گی خلق اسے د اور سپہر شکن
لکھیں گے لوگ اسے ، خسرو ستارہ سپاہ
عطا کرے گا خداوند کار ساز اسے
روان روشن و خوے خوش و دل آگاہ
ملے گی اسکو وہ عقل نہفتہ داں کہ اسے
پڑے نہ قطع خصوصیت میں احتیاج گواہ ہے
یہ ترکتاز سے برہم کرے گا کشور روس
یہ لے گا بادشہ چیں سے چھین تخت وکلا
سنین عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھاون
یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ

یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جائیں
دراز اس کی ہو عمر اس قدر، سخن کو تاہ

امید و راعنایات شیو نرائن
کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ

۱؎ یعنی جہاں اس کی حشمت کا گھوڑا دوڑتا ہے۔ وہاں غبار کے بجائے گوہر کا سفوف اڑتا ہے۔ ۲؎ ایک دوسرے کے دشمن اس طرح مل گئے ہیں کہ اگر لومڑی کی دم میں الجھاؤ پیدا ہو جائے تو شیر اپنے پنجے کو شانہ بنا کر الجھاؤ درست کر دیتا ہے۔ ۳؎ منشی مہیش پرشاد نے، روز و شب سپید و سیاہ یعنی سپید دن اور سیاہ رات لکھا ہے۔ میرے نزدیک روز و شب و سپید و سیاہ ہی بہتر ہے یعنی دن رات بھی اس کے تابع ہو اور سپید و سیاہ بھی۔ ۴؎ اسے مخفی بھیدوں کے جاننے والی ایسی عقل ملے گی کہ جب کوئی مقدمہ اس کے سامنے پیش ہو گا اسے طے کرنے کے لیے گواہیاں لینے کی ضرورت نہ پڑے گی بلکہ گواہیوں کے بغیر ہی سب کچھ طے کر دیا کرے گا۔

یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ
تمھیں اور اس کو سلامت رکھے سدا اللہ

(۲)

شفیق میرے، مکرم میرے۔ منشی شیو نرائن صاحب،

تم ہزاروں برس سلامت رہو۔ تمہارا مہربانی نامہ اس وقت پہنچا اور میں نے اسی وقت جواب لکھا۔ بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ کتاب دو جز یا چار جز کی ہو چھ جزو سے کم نہ ہو۔ مسطر دس گیارہ سطر کا ہو۔ مگر حاشیہ تین طرف سے بڑا رہے۔ شیرازہ کی طرف کم ہو۔ غلط نامہ کی حاجت نہ پڑے۔ آپ خود متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی شریک رہیں گے۔ اور میرزا تفتہ تو مالک ہی ہیں۔ کاغذ، شیو رام پوری۔ ہو خیر مگر سفید اور مہرہ کیا ہوا اور لعاب دار ہو پھر یہ کہ حاشیہ پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرز تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیہ کا قلم بہ نسبت متن کے خفی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان جلدوں میں سے دو جلدیں ولایت کی جائیں گی۔ ایک جناب فیض مآب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر اور ایک آقائے قدیم لارڈ الن برا بہادر کی نذر اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نذر کروں گا۔

میرزا تفتہ کی پانچ جلدوں کے لیے لکھا تھا۔ لیکن اب چھ جلدیں تیار کر دیجیے گا۔ یعنی شیرازہ اور جدول اور ان چھ جلدوں کی جو لاگت پڑے۔ ایک روپیہ جلد سے لے کر دو روپے جلد تک، وہ مجھ سے منگوا بھیجے گا۔ میں بمجرد مطلب کے فوراً ہنڈوی کی جو لاگت پڑے۔ ایک روپیہ جلد سے کر دو روپے جلد تک وہ مجھ سے منگوا بھیجیے گا۔ میں بمجرد وطلب کے فوراً ہنڈوی بھیج دوں گا۔ ایک خریدار پچاس جلد کے وہاں

پہنچے ہیں۔ واسطے خدا کے میرزا تفتہ سے کہیے کہ ان سے ملیں یعنی راجا امید سنگھ بہادر اندور والے۔ وہ چھلی اینٹ میں پولیس کے پچھواڑے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ کا خط آ گیا اور میرزا تفتہ نے مجھے پارسل کی رسید نہیں لکھی۔ اب میرا خط فارسی اپنے نام کا اور یہ خط دونوں خط ان کو دکھا دیجیے گا اور راجا امید سنگھ سے ملنے کو کہیے گا اور ہاں صاحب یہ ان کو تاکید کیجیے گا کہ وہ رباعی میں جو میں نے لکھ بھیجی ہے اسکوسب سے پہلے جہاں اس کا نشان دیا ہے۔ اسی فقرے کے آگے ضرور بالضرور لکھ دیجیے گا اور وہ رباعی بیسویں صفحہ میں اس فقرے کے آگے ہے۔

"تم نے اختر بخت خسرو و بلندی بجائے رسید کہ رخ از خا کیون نہفت۔"

تم ان کو یاد دلا کر ان سے لکھوا لینا ضرور ضرور۔

یہ جو تم نے لکھا ہے کہ صاحب نے سن کر اس پسند کیا۔ میں حیران ہوں کہ کون سا مقام تم نے پڑھا ہو گا۔ کیوں کر کہوں کہ صاحب اس عبارت کو سمجھے ہوں گے۔ اس کی جو حقیقت ہو مفصل لکھو۔ زیادہ زیادہ۔[1] جواب طلب ضروری۔

سہ شنبہ۔ ۳۱ ماہ اگست ۱۸۵۸ء

راقم اسد اللہ

---

[1] اس خط میں تمام ہدایات دستنبو کے چھاپے کے متعلق ہیں۔ صاحب کے اظہار پسند کا تعلق بھی دستنبو سے ہے۔

---

(۳)

مہاراج،

سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہرگوپال صاحب نے مجھ کو جو خط لکھنا کیوں چھوڑا۔ اگر مجھ سے خفا ہیں اور اگر شہر میں نہیں ہیں تو کہاں گئے اور کیوں گئے ہیں اور کب تک آئیں گے؟ آپ مہربانی فرما کر یہ امور مجھ کو لکھ بھیجیے۔ اس سے علاوہ ایک رباعی میرزا تفتہ کو بھیجی ہے اور ان کا لکھا ہے کہ اس کو دستنبو میں فلاں جگہ درج کر دینا اور ایک دو فقرے بھائی نبی بخش صاحب کو لکھے ہیں اور ان کو بھی دستنبو میں لکھنے کا محل بتا دیا ہے۔ میں نہیں جانتا، ان دونوں صاحبوں نے میرے کہنے پر عمل کیا اور انھوں[1] نے نظم کو اور انھوں[2] نے نثر کو کتاب کے حاشیہ پر چڑھا دیا یا نہیں۔ تم سے یہ ہزار آرزو خواہش کرتا ہوں کہ اگر وہ رباعی اور فقرے حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں تو مجھ کو انکے لکھے جانے کی اطلاع دیجیے کہ تشویش رفع ہو اور اگر دونوں صاحبوں نے بے پروائی کی ہے تو واسطے خدا کے آپ میرزا تفتہ سے رباعی اور منشی نبی بخش صاحب سے دونوں فقرے لے لیجئے اور محل تحریر میرے خط سے معلوم کر کے انکو جا بجا حاشیے پر رقم کیجے اور مجھ کو اطلاع دیجیے۔ ضرور، ضرور، ضرور، ایک اور امر آپ کو کرنا چاہیے کہ شاید تیسرے صفحے کے آخر میں یا چوتھے صفحے کے اول میں یہ فقرہ ہے۔

"اگر دردمِ دیگر بہ نہیب مباش بہم زند"

"نہیب کا لفظ عربی ہے یہ سہو سے لکھا گیا ہے۔ اس کو چھیل ڈالیے گا اور اس کی جگہ نوائے مباش بان دیجیے گا۔ حقیقت لکھ کر اب سوالات الگ الگ لکھتا ہوں۔

پہلا سوال: میرزا تفتہ کا حال اور ان کے خط نہ آنے کی وجہ لکھیے۔

دوسرا سوال: میرزا تفتہ نے اگر رباعی دستنبو، کے حاشیے پر لکھ دی ہے تو اس کی اطلاع، ورنہ ان کے نام کے خط سے رباعی اور تحریر کا حال معلوم کرکے۔ آپ حاشیے پر لکھ دیں اور مجھ کو اطلاع دیں۔

تیسرا سوال: منشی نبی بخش صاحب نے اگر میری بھیجی ہوئی نثر درج کر دی ہے تو اسکی اطلاع ورنہ ان سے لے کر اور محل معلوم کرکے حاشیہ کتاب پر لکھ دیجئے اور مجھ کو لکھ دیجئے۔

چوتھا سوال: آپ، جس طرح لکھ آیا ہوں، نہیب کی جگہ نوالفظ بنا کر مجھ پر عنایت کیجئے۔

پانچواں سوال: خریدار پچاس جلدوں کے پہنچے۔ میرزا تفتہ سے ملے؟ روپیہ پچاس جلدوں کی قیمت کا دیا؟ یا ہنوز یہ امور وقوع میں نہیں آئے۔ اس کی اطلاع ضرور دیجئے۔

چھٹا سوال: چھاپا شروع ہو گیا یا نہیں؟ اگر شروع نہیں ہوا تو کیا سبب؟

متوقع ہوں کہ میرے یہ سب کام از راہ عنایت بنا کر ان چھ سوالوں کا جواب اسی طرح جدا جدا لکھیے اور ضرور لکھیے اور جلد لکھیے

روز جمعہ ۱۷ ستمبر ۱۸۵۸ء راقم

اسداللہ خاں

۱۔ ہرگوپال تفتہ ۲۔ نبی بخش حقیر

(۴)

برخوردار منشی شیو نرائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو؟ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند لبند ہو۔ اب تم کو مشفق ومکرم لکھوں تو گنہ گار۔ تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھ سے سنو:

"تمہارے دادا کے والد عہد نجب خاں او ہمدانی ؒ میں میرے نانا صاحب مرحوم غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پر دادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنشی دھر، خاں صاحب ؒ کے ساتھ ہیں اور انھوں نے کیتھم گاؤں اور اپنی جاگیر کا سرکار میں دعوی کیا تو منشی بنسی دھر اس امر کے منصرف ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس برس کی عمر اور ایسی ہی عمر ان کی۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔ چونکہ گھر ان کا بہت دور نہ تھا۔ اس واسطے جب چاہتے تھے۔ چلے جاتے تھے۔ بس ہمارے اور ان کے مکان میں مچھیاں رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے، درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جواب لکھی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اس سے آگے بڑھ کر ایک کٹرا کہ وہ گڈریوں والا کہلاتا تھا اور ایک کٹرا

کشمیران والا کہلاتا تھا اور ایک کٹرا کشمیرن والا، کہلاتا تھا۔ اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اڑاتا تھا اور راجا بلوان سنگھ سے پتنگ اڑا کرتے تھے۔ واصل خاں نامی ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا اور کٹروں کا کرایہ دار اوگاہ کران کے پاس جمع کراتا تھا۔

بھائی۔ سنو تو سہی تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ہے۔ علاقے مول لیے تھے اور زمینداره اپنا کر لیا تھا۔ دس بارہ ہزار روپے کی سرکار کی مالگزاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے ہاتھ آئے یا نہیں۔ اس کا حال ازروے تفصیل جلد مجھ کو لکھو۔

---

۱ نجف خاں صفوی ایران کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس کی ہمشیر کی شادی نواب وزیر اودھ کے بھائی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں خود بھی ہندوستان آ گیا۔ جب شاہ عالم ثانی الہ آباد سے دہلی آیا تو نجف خاں ساتھ تھا۔ جنگ و سیاست دونوں میں یکساں قابل تھا۔ ذوالفقار الدولہ خطاب پایا اور زندگی کے آخری سانس تک مغل سلطنت کا مختار رہا۔ ۱۷۸۲ء میں فوت ہوا۔ مغل امراء میں سے یہ آخری بڑا امیر تھا۔ ۲ ہمدانی سے مراد بہ ظاہر محمد بیگ ہمدانی ہے۔ نجف خاں کے پسری اولاد نہ تھی۔ افراسیاب خاں نام ایک لڑکے کو پال لایا تھا۔ ایک رشتہ دار مرزا شفیع اس کے پاس رہتا تھا۔ افراسیاب اور شفیع کے درمیان نجف خاں کی جانشینی کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا۔ یکے بعد دیگرے دونوں مارے گئے۔ ان جھگڑوں میں محمد بیگ ہمدانی اور اس کے بھتیجے اسماعیل بیگ ہمدانی نے بھی بڑا حصہ لیا۔ محمد بیگ ۱۷۸۷ء میں راجپوتوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اسماعیل بیگ بعد میں غلام قادر روہیلے کے

ساتھ شامل ہو گیا۔ ۲؎ خاں صاحب سے مراد خواجہ غلام حسین خاں ہیں۔ جو غالب کے نانا تھے۔

روز سہ شنبہ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۸ء وقت ورود خ

اسد اللہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۵)

نور بصیرت لخت جگر منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط اور رپورٹ کا لفافہ پہنچا اور سب حال تمہارے خاندان کا دریافت ہوا۔ سب میرے جگر کے ٹکڑے ہیں اور تم اپنے دودمان کے چشم و چراغ ہو۔

العلم طاقتہ شوق سے لکھو۔ آخر کے صفحے کی دو سطریں از روے مضمون سراسر کتاب کے خلاف ہیں۔ میں نے سرکار کی فتح کا حال نہیں لکھا۔ صرف اپنی پندرہ مہینے کی سرگزشت لکھی ہے۔ تقریباً شہر و سپاہ کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اور وہ اپنی سرگزشت جو میں نے لکھی ہے۔ سو ابتداء ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر ستمبر میں فتح ہوا۔ اس کا بیان بھی ضمناً آ گیا۔ خوب ہوا کہ تم نے مجھ سے پوچھا۔ ورنہ بڑی قباحت ہوتی۔ اب میں جس طرح سے کہوں۔ سو کرو۔ پہلے سوچو کہ تقسیم یوں ہے کہ تین سطریں نیچے اور بیچ میں ایک سطر، اس کتاب کا نام، کیوں میاں، تقسیم یوں ہی ہے۔ اب میں دوسرے صفحہ پر ساتویں سطر لکھ دیتا ہوں۔ اس کو ملاحظہ کرو اور میرا کہنا مانو۔ ورنہ کتاب کی حقیقت غلط ہو جائے گی اور مطبع پر بات آئے گی۔

اس صفحے میں وہ ایک باتیں اور سمجھا دوں کہ وہ ضروری ہیں۔ سنو میری جان نوابی کا مجھ کو خطاب ہے نجم الدولہ اور اطراف و جوانب کے امرا سب مجھ کو۔ نواب لکھتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی۔ چنانچہ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے جوان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے تو لفافہ پر نواب اسد اللہ خاں لکھا، لیکن یہ یاد رہے کہ نواب

کے لفظ کیساتھ میرزا یا میر نہیں لکھتے۔ یہ خلاف دستور ہے یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا میرزا اسد اللہ خاں لکھو اور بہادر کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۶)

برخوردار اقبال نشان منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو، تمہارے دو خطوط متواتر پہنچے۔ میرے بھی دو خط پس وپیش پہنچے ہوں گے۔ موافق اس تحرے کے عمل کیا ہوگا۔ دو جلدیں پر تکلف اور پانچ جلدیں بہ نسبت اس کے کم تکلف میرزا حاتم علی صاحب کے عہدہ اہتمام میں ہیں۔ اس سے ہم کو اور تم کو کچھ کام نہیں۔ وہ جیسی چاہیں بنوا کر بھیج دیں۔ تم ایک جلد، بس، زیادہ صرف کیوں کرو۔ اپنے طور پر اپنی طرف سے جیسی چاہو۔ بنوا کر بھیج دو۔ میں تم کو اپنے پیارے ناظر بنسی دھر کی نشانی جانتا ہوں۔ اس کو تمہاری نشانی جان کر اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ باقی حال اپنے خاندان اور تمہارے خاندان کا اور باہم پل کر اپنا اور بنسی دھر کا بڑے ہونا سب تم کو لکھ چکا ہوں۔ مکرر کیا لکھوں؟

بادشاہ کی تصویر کی یہ صورت ہے کہ اجڑا ہوا شہر، نہ آدمی نہ آدم زاد، مگر ہاں ایک مصوروں کو آبادی کا حکم ہو گیا ہے۔ وہ رہتے ہیں۔ سو وہ بھی بعد اپنے گھروں کے لٹنے کے آباد ہوئے ہیں۔ تصویریں بھی ان کے گھروں سے لٹ گئیں۔ جو کچھ رہیں۔ وہ صاحبان انگریز نے بڑی خواہش سے خرید کر لیں۔ ایک مصور کے پاس ایک تصویر ہے۔ وہ تیس روپے سے کم کو نہیں دیتا۔ کہتا ہے کہ تین تین اشرفیوں کو میں نے صاحب لوگوں کے ہاتھ بیچی ہیں۔ تم کو دو اشرفی کر دوں گا۔ ہاتھی دانت کی تختی پر وہ تصویر ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی نقل کاغذ پر اتار دے۔ اس کے بھی بیس روپے مانگتا ہے۔ پھر خدا جانے اچھی ہو۔ یا نہ ہو۔ اتنا صرف بیجا کیا ضرور ہے؟

میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے۔ اگر کہیں سے ہاتھ آ جائے گی تو لیکر تم کو بھیج دوں گا۔ مصوروں سے خرید کرنے کا نہ مجھ میں مقدور، نہ تمہارا نقصان منظور۔

اب چھاپا تمام ہو گیا ہو گا۔ وہ پانچ اور دو سات کتابیں جو میرزا صاحب کی تحویل میں ہیں وہ اور وہ ایک جلد جو تم نے مجھ کو دینی ہے۔ وہ سب لوح اور جلد کی درستی کے بعد پہنچ جائیں گی۔ مگر وہ چالیس سرسری، جو مجھے چاہیے ہیں وہ تو آج کل میں روانہ کر دو اور ہاں میری جان، یہ چالیس کتابوں کا پشتارہ کیونکر پہنچے اور محصول اس کا کیا ہو گا؟ اور یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ دس جلدیں راے امید سنگھ کے پاس کہاں بھیجی جائیں گی۔ میرزا تفتہ ہاتر س کر جاتے ہوے ان کا اندور نہ ہونا اور پھر شاید آگرہ اور دلی کا آنا مجھ کو لکھ چکے ہیں۔ ان باتوں کا جواب مجھ کو لکھو۔ تصویر کے باب میں کچھ لکھو وہ کروں اور ان مقدمات سے اطلاع پاؤں۔ جواب جلد لکھو اور مفصل لکھو۔

نگاشتہ و واں واشتہ ، شنبہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء غالب

(۷)

برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ، دستنبو کے آغاز کی عبارت از روے احتیاط دوبارہ ارسال کی ہے۔ یقین ہے کہ پہنچ گئی ہوگی اور چھاپی گئی ہوگی اور آپ نے اسی عبارت سے اشتہار بھی اخبار میں چھاپا ہوگا یا چھاپے گا۔

بہ ہر حال اس شہر کے اخبار سنیے۔ حکم ہوا کہ دو شنبہ کے دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیر خواہان انگریز اپنے اپنے گھر میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔ فقیر بھی اسی تہی دستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنسن مقرری نہیں پاتا۔ اپنے مکان پر روشنی کرے گا اور قطعہ پندرہ بیت کا لکھ صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے۔ آپ کے پاس اس کے پاس اس کی نقل بھیجتا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے تو اس کو چھاپ دو اور جس لمبر میں یہ چھاپا جائے وہ لمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا۔

اور اب فرمایئے کہ میں کتابوں کے آنے کا کب تک انتظار کروں!

قطعہ

دریں روزگار، ہمایوں و فرخ
کہ گوئی بود روزگار چراغاں
شدہ گوش پر نور چوں چشم بینا
ز آوازہ اشتہار چراغاں
مگر شہر دریاے نوراست، کا نجا
نگہ گشتہ ہر سو دو چار چراغاں
بسر بردہ بر چرخ مہر منور
مہ روز در انتظار چراغاں

۱؎ اس خط پر تاریخ ثبت نہیں۔ لیکن یہ اکتوبر ہی کا معلوم ہوتا ہے اور اس میں جو قطعہ درج ہے۔ وہ دستنبو کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

گواہ من اینک خطوط شعاعی
کہ دارولش خار خارِ چراغاں
دریں شب روا باشد از چرخ گرداں
کند گنج انجم نثار چراغاں
نبوداست درد ہر زیں پیش ہرگز
بدیں روشنی روے کارِ چراغاں
شداز فیض شاہنشہ انگلستان

فزوں رونق کاروبار چراغاں
جہاندار وکٹوریہ کز فرو غش
ز آتش و مد لالہ زار چراغاں
ز عدلش چناں گشت پروانہ ایمن
کہ شد دید بان حصار چراغاں
بفرمانِ سر جان لارنس صاحب
شد ایں شہر آئینہ دار چراغاں
بدہلی فلک رتبہ سانڈرس صاحب
بر آراست نقش و نگار چراغاں
شداز سعی ہنری اجرٹن بہادر
رواں ہر طرف جو بیار چراغاں
سخن سنج غالب ز روے عقیدت
دعا مے کند در بہار چراغاں
کہ باوا فزوں سال عمر شہنشہ
بروے زمین از شمار چراغاں

(۸)

میاں، تمہارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا۔ اگر مجھ کو کبھی انگریزی لکھوانا ہو گا تو یہاں سے اردو میں لکھ کر بھیج دوں گا تم وہاں سے لکھ کر بھیج دیا کرنا۔ قصہ قاصدان شاہی۔ میں نے دیکھا۔ اصلاح کے باب میں سوچا کہ اگر سب فقروں کو مقفیٰ اور عبارت کو رنگین بنانے کا قصد کروں تو کتاب کی صورت بدل جائے گی اور تم کو بھی شاید یہ منظور نہ ہو۔ ناچار اس پر قناعت کی کہ جو الفاظ ٹکسال باہر تھے۔ وہ بدل ڈالے۔ مثلاً دے کہ یہ گنوار بولی ہے۔ وہ یہ ٹھیٹ اردو ہے۔ کران یہ بیرونجات کی بولی ہے۔ کروانا۔ یہ فصیح ہے۔ راجے یہ غلط ہے۔ راجہ صحیح ہے۔ کہیں کہیں روابط ضمائر نامربوط تھے۔ ان کو مربوط کر دیا ہے ایک جگہ گھنے لیے یہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا۔ اس کو تم سمجھ لینا۔ باقی اور سب مربوط اور خوب صاف ہے۔ حاجت اصلاح کی نہیں۔

صاحب، کتابیں کب روانہ ہوں گی؟ دوالی بھی ہولی۔ اگر گنگا جانے کا قصد ہو تو بھائی میری کتابیں بھیج کر جانا اور ہاں یہ میں نہیں سمجھا کہ میرزا مہر کی بنوائی ہوئی سات کتابیں بھی انھیں کتابوں کے ساتھ بھیجو گے یا وہ اپنے طور پر جدا روانہ کریں گے؟ وہ تم نے اپنی بنوائی ہوئی کتاب کا آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ سے یہ بات تراوش کرتی تھی کہ سادہ کتابیں پہلے روانہ ہوں گی اور وہ ایک کتاب ہفتہ کے بعد۔ سو وہ ہفتہ بھی گزر گیا۔ یقین ہے کہ اب وہ سب یکجا پہنچیں اور شاید کل پرسوں آ جائیں۔

۱یعنی شیوز ائن نے لکھا ہوگا کہ میں انگریزی بھی جانتا ہوں۔ اگر آپ ضرورت پیش آجائے تو مجھ سے لکھوا لیا کریں۔

وہ نمبر اخبار کا جو تم نے مجھ کو بھیجا تھا۔ اس میں ایڈمنسٹن صاحب کے لفٹنٹ گورنر ہونے کی برابر جلد آگرہ آنے کی خبر لکھی تھی۔ یہاں مجھ کو کئی باتیں پوچھنی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ چیف سکرتر نواب جنرل کے تھے۔ جب یہ لفٹنٹ گورنر ہوئے تو اب وہاں چیف سکرتر کون ہوگا؟ یقین ہے کہ ولیم میور صاحب اس عہدہ پر مامور ہوں۔ پس اگر یوں ہی ہے تو ان کے محکمے میں چیف سکرتر کون ہوگا؟

دوسری بات یہ کہ میر منشی ان کے تو وہی منشی غلام غوث خاں رہیں گے۔ یقین ہے کہ ان کے ساتھ آویں۔

تیسری بات یہ کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے میر منشی ایک بزرگ تھے۔ بلگرام کے رہنے والے، منشی سید جان خان۔ آیا بھی وہی ہیں یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں؟

ان سب باتوں میں سے جو آپ کو معلوم ہوں۔ وہ اور جو نہ معلوم ہوں۔ اس کو معلوم کر کے مجھ کو لکھیے اور جلد لکھیے اور ضرور لکھیے۔ یقین تو ہے کہ تم سمجھ گئے ہوگے کہ میں کیوں پوچھتا ہوں۔ کتابیں جا بجا بھیجنے میں جب تک نام اور مقام معلوم نہ ہو تو کیونکر بھیجوں۔ جواب لکھو اور شتاب لکھو۔ کتاب بھیجو اور جلد بھیجو۔

سہ شنبہ ۹۔ نومبر ۱۸۵۸ء

(۹)

برخوردار کامگار۔منشی شیوزائن حلوالمرہ وزادقدرہ۔

کل جمعہ کے دن ۱۲۔نومبر کو بتیس کتابیں آ گئیں ۔ میں بہت خوش ہوا ور تم کو دعائیں دیں۔خط تمہارے نام کا ابھی میرا کہا ڈاک میں لے گیا ہے۔اس رقعہ کی تحریر سے مقصود یہ ہے کہ میاں عبدالحکیم بہت نیک بخت اور اشراف اور ہنر مند آدمی ہیں۔دلی گزٹ ۔میں حرفوں کے چھاپے کا کام کیا کرتے تھے۔چونکہ یہ چھاپے خانہ اب آگرہ میں ہے۔یہ بھی وہیں آتے ہیں۔تمہارے پاس حاضر ہوں گے۔ اور ان پر مہربانی رکھنا بھلا۔وہ شہر بیگانہ ہے۔ان کو تمہاری خدمت میں شناسائی رہے گی۔تو اچھی بات ہے۔صحافی کا کام بھی بقدر ضرورت کر سکتے ہیں۔شاید اگر۔ دہلی گزٹ میں ان کا طور درست نہ ہو تو اس صورت میں بشرط گنجائش اپنے مطبع میں ان کو رکھ لینا۔

نگاشتہ ۱۳ نومبر، ۱۸۵۸ء راقم

اسداللہ

(۱۰)

صاحب،

تمہارا خط آیا۔ دل خوش ہوا۔ دیکھیے میرزا مہر کب روانہ کرتے ہیں! اگر بھیج چکے ہیں تو یقین ہے کہ آج یہاں آ پہنچیں۔ آج نہ آئیں۔ کل آئیں کہ کل سے میں شام تک میں راہ دیکھتا ہوں۔

"مہر نیم ماہ" نہیں اس کا نام مہر نیمروز ہے۔ اور وہ سلاطین تیموریہ کی تواریخ ہے۔ اب وہ بات ہی گئی گزری بلکہ وہ کتاب اب نہ چھاپنے کے لائق ہے۔ نہ چھپوانے کے قابل۔ اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں۔ یہ بھی زاید بات

ا یعنی کتابیں

ہے۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے۔ اس کی شہرت میری سخنوری کے شکن کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر، کیا ضرور ہے۔ کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔

محررہ پنجشنبہ ۱۸۔ نومبر ۱۸۵۸ء

(۱۱)

برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے۔ کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر ۱۸۵۸ کو سات کتابوں کے دو پارسل پہنچے۔ واقعی کتابیں جیسا کہ میرا جی چاہتا تھا۔ اسی روپ کی ہیں۔ حق تعالیٰ میرزا مہر کو سلامت رکھے۔ رقعوں کے چھاپنے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں۔ البتہ اس باب میں میری رائے پر تم کو اور میرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہے۔

مطلب عمدہ جو اس خط کی تحریر منظور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کتاب تم نے بنوائی ہے اور میں نے تم کو لکھا تھا کہ پہلے ورق کے دوسرے صفحہ پر انگریزی عبارت لکھ کر بھیجنا ،خدا کرے وہ عبارت تم نے نہ لکھی ہو۔ اگر لکھ دی ہو تو ناچار اور اگر نہ لکھی ہو تو اب نہ لکھنا اور سادہ رہنے۔ دینا اور اسی طرح میرے پاس بھیج دینا۔ یہ بھی معلوم رہے کہ اب کتب کی تقسیم اس کتاب کے آنے تک ملتوی رہے گی اور وہ کتاب میرے پاس جلد پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ جواب طلب بلکہ کتاب طلب

۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۱۲)

صاحب، تم کندھولی سے کب آئے اور جب آئے میرا خط بیرنگ کہ جس میں سات روپے کی ہنڈوی ملفوف تھی پایا یا نہیں پایا اگر پایا تو موافق اس تحریر کے عمل کیوں نہ فرمایا؟ اور اس خط میں ایک مطلب جواب طلب تھا۔ اس کا جواب کیوں نہ بھجوایا۔ اچھا۔ اگر تم ایک آدھ دن کے واسطے کندھولی گئے تھے تو کارپردازان مطبع نے خط لے کر رکھ چھوڑا ہوگا اور جب تم آئے ہو گے تو وہ خط تمہیں دیا ہوگا۔ پھر کیا سبب جو تم نے جواب نہ لکھا؟ ابھی کندھولی سے تم نہیں آئے۔ یا وہ میرا خط تلف ہو گیا۔ تاریخ تحریر خط مجھے یاد نہیں۔ اب یہ لکھتا ہوں کہ اگر خط پہنچا تو مجھ کو خط کی اور ہنڈوی کی رسید اور میرے سوال کا جواب لکھو اور اگر خط نہیں پہنچا تو اسکی تدبیر بتاؤ کہ میں ساہوکار سے کیا کہوں اور ہنڈوی کا ثنی کس طرح سے مانگوں، جواب طلب شتاب طلب۔

روز سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء

از اسد اللہ مضطرب

صاحب، تم خط کے جواب نہ بھیجنے سے گھبرا رہے ہو گے۔ حال یہ ہے کہ قلم بنانے میں میرا ہاتھ انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے۔ بہ ہر حال اب اچھا ہوں۔ پنچ آہنگ تم نے مول لے لی۔ اچھا کیا۔ دو چھاپے ہیں۔ ایک بادشاہی چھاپے خانے کا اور ایک منشی نور الدین کے چھاپے خانے کا۔ پہلا ناقص ہے، دوسرا سراسر غلط ہے۔ کیا کہوں تم سے؟ ضیاء الدین خاں، جاگیر دار لوہارو، میرے سبتی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا، وہ انھوں نے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ کلیات نظم فارسی چون پچپن جزو اور پنچ آہنگ او مہر نیمروز، اور دیوان ریختہ سب مل کر سو سوا سو جزو مطلا او رمذہب او رانگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع کہ کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شاہزادے نے اس مجموع نظم و نثر کی نقل لی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے۔ وہ دونوں جگہوں کا کتاب خانہ کوان یغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائیں۔ کہیں سے ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تحرے سے یہ ہے کہ قلمی فارسی کا کلیات قلمی ہندی کا کلیات۔ قلمی پنچ آہنگ، قلمی مہر نیمروز اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آوے۔ تو اس کو مرے واسطے خرید کر لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگوا لوں گا۔

جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ ان کی فرمائش ہے اردو کی نثر، وہ انجام پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں۔ مگر بھائی تم غور کرو، اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا، اور اس عبارت میں معانی نازک کیوں کر بھروں گا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ کون سی بات کون سی کہانی، کون سا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں۔ تمہاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔ ایک قرینے سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شاید گورنمنٹ سو دو سو دستنبو کی خریداری کرے گی اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا بعید ہے کہ ہفتے دو ہفتے میں الہ آباد سے تمہارے پاس حکم پہنچے۔

روز شنبہ ۱۱، دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۴)

بھائی،

یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر، دیر سے لکھو۔ اگر شتاب نہیں لکھتے۔ تمہارا خط آیا۔ اس کے دوسرے دن میں نے جواب بھجوایا۔ آج تم نے اس کا جواب نہ بھیجا۔ حال آنکہ اس میں جواب طلب باتیں تھیں۔ یعنی میں نے اپنی نظم ونثر کی کتب کا حال تم کو لکھ کر۔ تم سے استدعا کی تھی کہ قلمی جو نسخہ تمہارے ہاتھ آجائے۔ وہ تم خرید کر مجھے بھیج دینا۔

ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب اردو کی نثر ان کے واسطے لکھ لوں گا تو دستنبو، کی خریداری کی خواہش کروں گا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں؟ تم نے اس بات کا جواب نہ لکھا۔

---

۱ ریڈ صاحب صوبجات متحدہ (یو۔ پی) میں محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے۔ اس کے بعد کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ شیونرائن نے میرزا کو لکھا تھا۔ دستنبو۔ کی خریداری کے لیے ریڈ صاحب کو لکھیے وہ سکولوں کے لیے کافی تعداد میں کتابیں خرید لیں گے۔ لیکن غالب اس لیے متوقف تھے کہ ریڈ صاحب نے اردو نثر کے لیے فرمائش بھیج رکھی تھی اور اس کی فرمائش کو پورا کیے بغیر اپنے مطلب کے لیے لکھنا غیر مناسب ہوتا تھا۔

سید حفظ الدین احمد کی نہر کھدوانے کو تم نے لکھا تھا کہ ملتوی رہے۔ پھر اس کا

بھی کچھ بیورا نہ لکھا۔ میں اس کو بھی کچھ نہیں سمجھا۔ اس کو یکسو کرو۔ ہاں، ناں کچھ لکھ بھیجو۔ تمہاری مہر بدر الدین علی خاں کو دی گئی ہے۔ یقین تو یہ ہے کہ اسی دسمبر کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائے اور ۱۸۵۸ء سن کھدے۔ شاید کچھ دیر ہو تو جنوری ۱۸۵۹ء میں کھدے۔ اس سے زیادہ ورنگ نہ ہو گی۔ تم کو روپیہ حرف، آٹھ نہ حرف سے کیا علاقہ؟ تم کو اپنی مہر سے کام۔

سچ تو کہو کیا پھر کندھولی گئے ہو، کیا کر رہے ہو۔ کس شغل میں ہو؟ یا مجھ سے خفا ہو؟ اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو۔ خفگی کی وجہ لکھو۔ ہر حال اس کا جواب شتاب بھیجو اور اسی خط میں بعد ان سب باتوں کے جواب کے مولوی قمر الدین خاں کا حال لکھو کہ وہ کہاں ہیں؟ اور کس طرح ہیں؟ برسر کار ہیں یا بے کار ہیں؟ اچھا میرا بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو۔ زیادہ کیا لکھوں؟

مرسلہ چہارشنبہ ۱۵۔ دسمبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۱۶)

برخوردار،

آج اس وقت تمہارا خط مع لفافوں کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے از مقام دور مقام و تاریخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے۔ وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیے۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ ان کے عوض یہ لفافے جو در مقام و از مقام سے خالی ہیں، جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو،، مجھ کو بھیج دو اور یہ لفافے اس کے عوض مجھ سے لے لو اس طرح کے لفافے نہ ہوں تو ان کی کچھ ضرورت نہیں۔

مہر کے واسطے صاحب، زمرد کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کے برابر اور ہشت پہلو۔ اس اجڑے شہر میں کہاں ملے گا۔ عقیق بہت خوش رنگ، سیاہ سرخ رنگ، جیسا تم نے آگے لکھا ہے۔ ہشت پہلو ہوگا۔ یہ مہر میری طرف سے تم کو پہنچے گی۔ تم کو چار آنے حرف چھ آنے حرف سے کچھ مدعا نہیں۔ اپ اپنی مہر چاہو۔ زمرد پر چاہو الماس پر کھدواؤ۔ میں تو عقیق کی مہر تم کو دوں گا۔ وہ دوسری مہر۔ جب تمہاری مہر کھد چکے گی۔ جس طرح تم کہو گے۔ کھد جائے گی۔

میں، کیا قرینہ بتاؤں گورنمنٹ کی خریداری کا، ایک بات ایسی ہے کہ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کرے اس کا ظہور ہو جائے۔ ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ جناب ریڈ صاحب کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں؟ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے؟ بہت ہوگا تو یہ ہوگا میرا اردو بہ نسبت اوروں

کے اردو کے فصیح ہو گا۔خیر بہ ہر حال کچھ کروں گا اور اردو میں اپنا زورِ قلم دکھاؤں گا

۔تے کا ہونا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے کہ تم نے رات کو بری قسم کی

شیو نرائن نے لفافے بھیجے لیکن اپنے خیال کے مطابق میرزا کی سہولت کے لیے ان پر از مقام در مقام تاریخ و ماہ وغیرہ چھپوا دیا۔میرزا کو یہ پسند نہ تھا۔لہذا جتنے لفافے آئے تھے۔وہ متفرق دوستوں میں بانٹ دیے اور شیو نرائن کو اطلاع نہ دی ۔اس عقیدت مند نے دوبارہ ویسا ہی بنڈل بھیج دیا۔اسے میرزا نے واپس کیا اور ساتھ ہی واپسی کی وجہ ظاہر کر دی۔

میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربی جناب فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب وشمال کی مدح میں اور ایک قصیدہ جناب منٹگمری گورنر بہادر ملک پنجاب کی تعریف میں لکھا ہے۔اگر کہو تو بھیج دوں۔مگر فارسی میں اور چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس شعر ہیں۔

کتب دستنبو کے بک جانے سے میں خوش ہوا۔خدا کرے،جس کو دی ہو۔دو تین غلطیاں جو معلوم ہیں۔وہ بنا دی ہوں۔یہ نہ معلوم ہوا کہ صاحب لوگوں نے خریدیں یا ہندوستانیوں نے لیں؟تم مجھ کو یہ بات ضرور ضرور لکھو۔دیکھو صاحب تم گھبراتے تھے۔آخر یہ جنس پڑی نہ رہی اور بک گئی۔بھائی ہندوستان کا قلم و بے چراغ ہو گیا۔لاکھوں مر گئے۔جو زندہ ہیں ان میں سیکڑوں گرفتار بند بلا ہیں۔جو زندہ ہے (آزاد) اس میں مقدور نہیں۔میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی ہوگی یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں گئی ہوں گی۔پورب میں کم بکی ہوں گی۔

میاں، میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں۔ خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ تمہاری جگہ میرے دل میں ہے۔ اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں اور جو غزل تم نے بھیجی ہے اس کو لکھتا ہوں خدا کرے نو کے نو شعر یاد آ جائیں:

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

غزل

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

وہ چیز، جس کے لیے ہو ہمیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے؟

پیوں شراب، اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے؟

۱؎ یہ قصیدہ کلیات نظم فارسی میں نمبر ۴۳ پر ہے۔ کل چھیالیس شعر ہیں۔ ردیف کی باد ہے۔ اس میں سے دو شعر درج ذیل ہیں۔

کلبہ درویش را نبود چراغ
برق در شبہاے یار آور دباد

دیدہ ورہ اللہ کو از نظم بہ بزم
سلک در شاہوار آوردہ باد

۲؎ یہ کلیات نظم فارسی پر نمبر ۴۵ پر ہے۔ اس میں اپنے متعلق لکھتے ہیں:

وادر ، غالب عاجز کہ ستایش گرتست
گلہ از گردش ایں چرخ ستم گر دارد

ذکر ایں فتنہ کہ برخاست ز انبوہ سپاہ
بہ زبانے کہ قلم راست سراسر دارد

بندہ مے خواست کہ بیروں رود اما بوجوہ
نتوانست کہ از گوشہ قدم بر دارد

ماند آئین وفا داشت در آں عہد ہنوز
نیز آں قاعدہ با خویش مقرر دارد

جز ثناے و دعاے کہ ہمے گفت ، نگفت
و آنچہ مے گفت دریں وقت ہم از بر دارد

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے
وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے ؟
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے ؟
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے ؟

یہ تمہارا اقبال ہے کہ تو شعر یاد آ گئے۔ ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں۔ تین ہفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہو گیا۔ اگر منگواؤ گے تو قصیدے دونوں بھیج دوں گا۔

مرقومہ شنبہ ۱۹۔ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء

غالب

بھائی، ن

حاشا ثم حاشا اگر یہ غزل میری ہوں۔ مصرع، اسداور لینے کے دینے پڑے۔ اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہوتو مجھ پر ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے:

اس اس جفا پر بتوں سے وفا کی ہے
مرے شیر! شاباش ، رحمت خدا کی

میں نے یہی ان سے کہا تھا کہ اگر یہ مطلع میرا ہوتو مجھ پر لعنت، بات یہ ہے کہ ایک شخص میر امانی اسد ہو گزرے ہیں۔ یہ غزل کے کلام معجز نظام میں سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتداء میں اس تخلص رکھا ہے۔ اور نہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔ یہ تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے۔ میرا کلام اور ایسا مزخرف، یہ قصہ تمام ہوا۔

وہ غزل جو تمہارے پاس پہنچ چکی ہے۔ چھاپنے سے پہلے ایک نقل اس کی میرزا حاتم علی مہر کو دے دینا۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے۔ اسی دن وہ غزل نقل کر کے انکو بھیج دینا۔

دستنبو، کی خریداری کا حال معلوم ہو گیا۔ میرا بھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں گئی ہوں گی۔ جناب میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر پنجاب نے بذریعہ صاحب

کمشنر دہلی مجھ سے منگوائی تھی ۔ایک جلد انکو بھی بھیج چکا ہوں ۔قصیدے میں نے دونوں لکھے ہیں ۔ایک اپنے مربی جناب فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگمری صاحب بہادر

۱؎ مطلب یہ ہے کہ اپنے اخبار میں ہر ہفتہ ایک غزل چھاپ سکتے ہیں ۔۲؎ یہ بتانا مشکل ہے کہ اردو میں کب سے غالب تخلص اختیار کیا ۔دو چار برس کی بات قابل تسلیم نہیں ۔غالب گیارہ بارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے گویا انکی شعر گوئی کا آغاز ۹۔۱۸۰۸ء کے قریب ہوا ۔اس کے بعد دس بارہ برس تک اسد تخلص رکھنے کی شہادتیں موجود ہیں ۔بلکہ غالب تخلص اختیار کر لینے کے بعد بھی ضرورت کے موقع پر اسد لکھ جاتے تھے ۔اور بعض وقت پورا نام اسد اللہ خاں ۔"

کی مدح میں ایک پچپن شعر کا ۔ایک چالیس بیت کا اور پر فارسی ۱؎ ۔انکو ریختہ کی غزلوں میں کیا چھاپو گے ۔جانے بھی دو ۔رہیں غزلیں سابق کی ۔وہ جو میرے ہاتھ آتی جائیں گی ۔بھجواتا جاؤں گا ۔میاں تمہاری جان کی قسم ۔نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے ۔نہ مجھ سے کہا جائے ۔اس دو برس میں صرف وہ پچیس شعر بطریق قصیدہ تمہاری خاطر سے لکھ بھیجے تھے ۔۲؎ سوائے اس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہوگا ۔تو گنہ گار بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی ۔صرف دو قصیدے لکھے ہیں ۔کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے ۔پرسوں ایک خط تمہیں اور لکھ چکا ہوں ۔اب اس کا جواب نہ لکھنا ۔والدعا

چہار شنبہ ۲۷، اپریل ۱۸۵۹ء

(۲۱)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط تمہارا مع اشتہار کے پہنچا۔ یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان، امیروں میں تین آدمی۔ نواب حسن علی خاں۳ نواب حامد علی خان۴ حکیم احسن خاں۵۔ سو ان کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں۔ معہذا یہاں کی اقامت میں تذبذب خدا جانے کہاں جائیں، کہاں رہیں، حکیم احسن اللہ خاں نے آفتاب عالم تاب کی خریداری کر لی ہے اب وہ مکرر حالات دربار شاہی کیوں لیں گے، سوائے ساہو کاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے، تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ رہا نام اس رسالے کا، تاریخی جانے دو۔ رستخیز ہند، غوغائے سپاہ، فتنہ محشر، ایسا کوئی نام رکھو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ رئیس رام پور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا معیار الشعرا، جاتا ہے یا نہیں۶ اب کے تمہارے معیار الشعر میں میں نے عبارت دیکھی تھی کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک ان کا نام و نشان معلوم نہ ہو گا، ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں اور میر احمد ان کا نام ہے اور امیر تخلص کرتے ہیں۔ لکھنو کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے

---

۱ صحیح یہ ہے کہ ایک چھیالیس شعر کا اور دوسرا پینتیس شعر کا۔ ۲ یعنی وہ قصیدہ جو شیو نرائن کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اور خط نمبر ۱ میں درج ہے۔ ۳ ک نواب نجابت علی خاں والی جھجر کے چھوٹے بیٹے تین ہزار روپے ماہوار وظیفہ پاتے تھے۔ ۴ اعتماد الدولہ میر

فضل علی خاں وزیر شاہ اودھ کے بھانجے اور داماد تھے۔ فضل علی کی وفات پر حامد علی خاں دہلی چلے آئے۔ روپیہ شاہی خزانہ میں جمع کرا دیا۔ ساڑھے چار ہزار ماہانہ سود ملتا تھا۔ غدر کے بعد چودہ مہینے حوالات میں رہے۔ فروری ۱۸۵۹ء میں رہا ہوئے۔
۵؎ یہ مشہور طبیب تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں عروج پایا۔ غدر میں انگریزوں کے طرفدار بن گئے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں کی نظروں میں گر گئے۔ ۱۸۷۳ء میں بڑودہ میں فوت ہوئے۔ حکیم غریب مادہ تاریخ وفات ہے۔ ۶؎ اس خط سے ظاہر ہے کہ شیونرائن کے اخبار کا نام آفتاب عالم تاب تھا۔ اس کے ساتھ دربار شاہی کے حالات بھی چھپنے لگے تھے۔ نیز ایک ادبی رسالہ معیار الشعرا کے نام سے نکالا تھا جس میں شعراء کا کلام چھپتا تھا۔ یہ پانزدہ روزہ تھا۔ غدر کے حالات کے متعلق ایک الگ رسالہ نکالنے کی تجویز تھی جس کے لیے نام غالب نے تجویز کیے تھے۔ آخر بغاوت ہند اس کا نام رکھا گیا۔ جیسا کہ خط نمبر ۲۳ سے ظاہر ہوتا ہے ۷؎ اس سے مراد امیر مینائی مرحوم ہیں جو اگرچہ اس زمانہ میں بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ لیکن چنداں مشہور نہ تھے۔ لکھنو سے رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے پاس پہنچ گئے تھے۔

روشناس اور صاحب رہے ہیں اور اب وہ رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو۔ یعنی غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ نام اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کو اب کے معیار الشعرا میں چھاپ کر ایک دو ورقہ یا چہار ورقہ رام وران کے پاس بھیج دو اور سر نامہ پر یہ لکھو:

”وررام پور بر در دولت حضور رسیدہ بخدمت مولوی امیر احمد صاحب امیر تخلص

برسد۔“

اور مجھ کو اس امر کی اطلاع دو کہ رام پور کو تمہارا اخبار جاتا ہے یا نہیں؟

مرسلہ یک شنبہ ۱۲، جون ۱۸۵۹ء

غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۲)

برخوردار نورچشم منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب، میں تو منتظر تمہارے آنے کا تھا۔ کس واسطے کہ منشی بہاری لال بھائیوں میں ہیں۔ ماسٹر رامچند رائے، انھوں نے پرسوں مجھ سے کہا تھا کہ منشی شیونرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح ناگاہ تمہارا خط آیا۔ اب مجھ کو اس کا پوچھنا تم سے ضرور ہوا کہ آنے کی خبر تمہارے جھوٹ تھی یا ارادہ وہ تھا اور کسی سبب سے موقوف رہا؟

بابو ہر بند سنگھ سہالے ۲ کا میں بڑا احسان مند ہوں۔ حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر میں ان کی عمر و دولت دے۔ سعادت مند اور نیک بخت آدمی ہیں۔

تمہاری خواہش کو اچھی طرح سمجھا نہیں۔ مصرع تم نے لکھا اور وہ چھاپا گیا۔ ہزار پانسو دو ورقے چھپ گئے۔ اب جو مصرع اور کہیں سے بہم پہنچے گا وہ کس کام آئے گا؟ خود لکھتے ہو کہ پہلا جزو تم کو بھیجا ہے۔ صبر کرو۔ وہ جزو آنے دو۔ میں اس کو دیکھ لوں۔ یقین ہے کہ قلمی ہوگا۔ اس کو دیکھ کر اور مضامین کو سمجھ کر مصرع بھی تجویز کر دوں گا۔ مگر اتنا تم اور بھی لکھو کہ آیا یوں منظور ہے کہ اس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھوایا ہی چاہتے ہو کہ یہ بھی رہے اور وہ بھی رہے؟ خط تمہارا آج آ گیا ہے۔ پم فلٹ پاکٹ یا آج شام کو یا کل شام تک آ جائے گا۔

سہ شنبہ ۱۹، جولائی ۱۸۵۹ء غالب

(۲۳)

برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ تمہارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ بغاوت ہند پہنچا۔ تمہارے تصمیم عزیمت سے میں خوش ہوا۔[۳] اللہ اللہ اپنے یا جنسی دھر کے پوتے کو دیکھوں گا۔ بغاوت ہند ماہ بماہ اور ''معیار الشعرا'' ہر مہینے میں دو بار پہنچتا رہے۔ باقی گفتگو عندالملاقات ہو رہے گی۔ اپنے شفیق دلی ماسٹر رامچندر صاحب کو تمہارے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انھوں نے میرے رقعے کے جواب میں لکھا ہے۔ وہ تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لینا۔ اگر دستنبو مین باقی ہوں تو اپنے ساتھ لے آنا۔

شنبہ ۲۳، جولائی ۱۸۵۹ء

غالب

---

[۱] غالباً وہی ماسٹر رام چندر جو عیسائی ہو گئے تھے۔ دہلی کالج میں پروفیسر تھے اور ایک یا دو اخبار کیے تھے۔ [۲] میرزا کے شاگرد گوبند رائے نشاط (۸، دسمبر ۱۸۲۸ء ۳ مئی ۱۸۹۱ء) مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد وکالت پاس کی ریاست کوٹہ میں جج مقرر ہو گئے تھے۔ اردو فارسی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ [۳] یعنی دہلی آنے کا ارادہ۔

(۲۴)

میاں یہ کیا معاملہ ہے ایک خط اپنی رسید کا بھیج کر پھر تم چپکے ہو رہے ہو۔ معیار الشعرا نہ بغاوت ہند نہ میرے خط کا جواب، نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار، نواب شہاب الدین خاں نے اگست سے دسمبر تک پنج ماہہ معیار الشعراء اور بغاوت ہند کا بھیجا ہے۔ یعنی تین رپے بارہ آنے مجھ کو دیے اور میں نے ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا۔ جب ان مطالب جزوی کا یہ حال ہے تو کتاب اور انگریزی عرضی کا ابھی کیا ذکر ہے خدا کے واسطے ان سب مقاصد کا جواب جدا جدا لکھو۔ آج اگست کی ۱۷۔ بدھ کا دن ہے۔ پہلا نمبر معیار الشعرا کا بھی نہیں آیا۔ یہ ہے کیا؟ مہر تمہاری کھدنی شروع ہوگئی ہے۔ اسی اگست کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔ اچھا میرا بھائی اس خط کا جواب جلد پاؤں اور کتاب اور عرضی کا بھی تقاضا کروں تو بعید نہیں۔ مگر آج شام تک اس خط کو رہنے دوں گا۔ اگر تمہارا خط یا معیا الشعراء یا بغاوت ہند یا کوئی لفافہ شام تک آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالوں گا، ورنہ کل صبح کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ اپنے والد کو دعا اور اشتیاق دیدار کہہ دینا۔

مرقومہ چہارشنبہ ۱۷۔ اگست ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۵)

کیوں میری جان، تم نے خط نہ لکھنے کی قسم کھائی ہے یا لکھنا ہی بھول گئے ہو، شہر میں ہو یا نہیں تمہارے مطبع کا کیا حال ہے؟ تمہارا کیا طور ہے؟ تمہارے چچا کا مقدمہ کیونکر فیصل ہوا۔ مرا کام تم نے کس طرح درست کیا؟ کروگے یا نہیں، معیار الشعراء کا پارسل پہنچ گیا۔ بغاوت ہند کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھواور شتاب لکھو۔

محررہ پنجشنبہ ۲۲۔ ستمبر ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۶)

میری جان،

وہ جلدیں بغاوت ہند کی پرسوں میرے پا پہنچیں۔اس وقت برخوردار میرزا شہاب الدین خاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک جلد ان کو دی۔ کل ایک پارسل اور میرے نام کا آیا۔ میں خوش ہوا کہ ولایت کی عرضی اور دستنبو کا پارسل ہوگا۔

دیکھا تو وہی دو جلدیں بغاوت ہند کی ہیں۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا ظاہرا امتحان ارسال نے ازراہ سہو دوبارہ بھیج دی ہیں۔ چاہتا تھا کہ لفافہ بدل کر ڈبل ٹکٹ لگا کر بھیج دوں۔ پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کروں۔ شاید یہیں کسی اور کو دلوا دو۔ بس اب تمہارے کہنے کا انتظار ہے۔ جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو بھیج دوں۔ کہو کہیں اور تمہارے طرف سے بھیج دوں۔ میرے کسی کام کی نہیں۔

والدعا۔

۱اس خط میں جا بجا، معیار الاشعار چھپا ہے۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ غالب یا کاتب کا سہو تھا یا شیو نرائن نے رسالہ کا نام معیار الشعراء کے بجائے معیار الشعراء کے بجائے معیار الاشعار تجویز کرلیا تھا؟ میں نے معیار شعار کے بجائے۔ معیار الشعراء بنا دیا ہے۔

مرقومہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء راقم

اسد اللہ

(۲۷)

برخوردار شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو، کیا میرے خط نہیں پہنچتے کہ جواب ادھر سے نہیں آتا، دو مجلد بغاوت ہند کے زیادہ پہنچے ہیں۔ اس واسطے تم سے پوچھا گیا تھا۔ اس کا بھی تم نے جواب نہ لکھا۔ میں نے یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمہارے نام لکھی تھی۔ کیا انھوں نے تم کو نہ پڑھائی ہوگی؟ ولایت کی عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں جو اس کا جواب مانگوں۔ کچھ مجھ سے خفا ہو گئے تو ویسی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تاکہ تم تقاضا معلوم ہو۔ اے لو۔ ایک اور بات سنو۔ تمہارا تو یہ حال کہ مجھ کو خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے اور میری خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر، جو وہاں تم کو معلوم ہوا کرے۔ مجھ کو لکھا کرو خصوصاً اکبر آباد میں آکر جو کچھ واقع ہو۔ وہ مفصل لکھو۔ آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آجائیں یا جدا جدا آکر یہاں فراہم ہو جائیں گے؟ دربار کی صورت، خیر خواہوں کے تقسیم انعام کی حقیقت، کوئی نیا بندوبست جاری ہو۔ اس کی کیفیت۔ یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو۔ دیکھو، خبر دار اس امر میں تساہل نہ کرنا۔ اب کیا سنتے ہو؟ لکھنو سے کہاں آئے ہیں؟ کانپور فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرہ آئیں گے؟ کہاں کہاں کون کون رئیس ملے گا؟ لکھنو کے دربار کا حال جو کچھ سنا ہو۔ وہ لکھو، اگر چہ یہاں لوگوں کے ہاں اخبار آتے رہتے ہیں۔ اور میری بھی نظر سے گزر جاتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خط سے آگہی پاتا رہوں۔ تم جو لکھو گے مفصل اور منقح لکھو گے۔ یقین ہے کہ برادرزادہ عزیز

یعنی تمہارے والد ماجد نے میرزا یوسف علی خاں کے کام کی درستی لالہ جوتی پرشاد کی سرکار میں کردی ہوگی۔ اس کی بھی اطلاع ضرور ہے۔

صبح چہارشنبہ ۲۔ نومبر ۱۸۵۹ء

جواب کا طالب غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۸)

برخوردار،

دو خط آئے اور آج یک شنبہ ۱۳، نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔ یہ اودھ اخبار بھائی ضیاء الدین خاں کے ہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیج دیا کرتے ہیں۔ اس کی حاجت نہیں۔ اپنے اور میرے ٹکٹ کیوں برباد کرو؟ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بہ سبب قرب کے وہاں معلوم ہوتے ہوں گے۔ جو سنو وہ مجھ کو لکھو اور جب نواب معلیٰ القاب آگرہ میں آ جائیں تو اپنا مشاہدہ مجھ کو لکھتے رہو۔ بس غرض اتنی ہی ہے۔ آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیج دیتا ہوں۔ اور دونوں کتابیں بغاوت ہند پرسوں بھیج چکا ہوں۔ تمہارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے۔ دعا کر رہا ہوں۔ خدا میری دعا قبول کرے۔ اور ان کو شفا کامل دے۔ میری دعا ان کو پہنچا دینا۔

میرزا یوسف علی خاں عزیز کا حال معلوم ہوا۔ یہ عالی خاندان اور ناز پروردہ آدمی ہیں۔ ان کو راحت پہنچاؤ گے۔ اور جو ان کی خدمت بجالاؤ گے۔ اس کا خدا سے اجر پاؤ گے۔ زیادہ سوائے دعا کے کیا لکھوں

۱؎ آگرہ ۲؎ لکھے

روز یک شنبہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۹)

برخوردار منشی شیونرائن کو دعاے دوام دولت پہنچے۔ کل رات تمہارا خط پہنچا۔ دل خوش ہوا۔ باقر علی خاں اور حسین علی خاں۔ یہ دونوں میرے پوتے اور تم بھی میرے پوتے ہو۔ چونکہ تم عمر میں بڑے ہو تو پہلے تم اور بعد تمہارے یہ میں حسب الطلب نواب صاحب کے دوستانہ یہاں آیا ہوں اور اپنی صفائی بذریعہ انکے گورنمنٹ سے چاہتا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے کتاب اور عرضی اواسط ماہ جنوری میں ولایت کو روانہ کر کے یہاں آیا ہوں۔ چھ ہفتے میں جہاز پہنچتا ہے یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا۔

بہ بینم کہ تا کرد گار جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

اپنے والد کو میری دعا کہہ دینا۔ میرزا یوسف علی خاں کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ میں تمہاری فکر سے فارغ نہیں ہوں۔ اگر خدا چاہے تو کوئی راہ نکل آئے۔

سہ شنبہ ۳۔ مارچ ۱۸۶۰ء غالب

برخوردار اقبال آثار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہر کر ایک نسخہ بغاوت ہند اور ایک دوورقہ معیارالشعر کا معرف برخوردار میرزا شہاب الدین خاں کے پہنچا اور آج چہارشنبہ ۱۴۔مارچ کی ہے کہ ایک نسخہ۔ بغاوت ہند بھیجا ہوا تمہارا رام پور پہنچا۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اب میں شنبہ کے دن ۱۷۔ مارچ کو دلی روانہ ہوں گا۔ تم کو بطریق اطلاع لکھا ہے۔ اب بدستور رسال خط دلی کو رہے۔ یہاں نہ بھیجنا۔

ہاں بھائی ان دنوں میں برخوردار میرزا یوسف علی خاں وہاں آئے ہوئے۲ ہیں۔ آج ہی انکا خط مجھ کو پہنچا ہے۔ تم ضروران سے ملنا منشی امیر علی صاحب کے ہاں وہ اترے ہوئے ہیں۔ ان کو بلا کر میری دعا کہنا اور کہنا کہ اچھا ہے دلی چلے آؤ۔ وہاں جو مجھ سے ملو گے تو زبانی کام ہو رہے گا اور اگر وہ ترس گئے ہو تو یہ رقعہ جو تمہارے نام کا ہے۔ ایک کاغذ میں لپیٹ کر ٹکٹ لگا کر باترس کو شیخ کریم چوکیداروں کے رفعداز گھر کے پتے سے بھیج دینا۔ ضرور۔ ضرور۔

۱خط رام پور سے لکھا گیا تھا۔ جہاں غالب پہلی مرتبہ جنوری ۱۸۶۰ء میں گئے تھے اور دو مہینے رہ کر مارچ میں واپس آئے تھے۔ اس وقت پنشن بند تھی۔ ۲یوسف علی خاں عزیز کے آگرہ پہنچنے کا ذکر غالب نے پہلے پہل ۲۔ نومبر ۱۸۵۹ء کے خط میں کیا تھا یہ بھی لکھا تھا کہ شیونرائن کے والد نے عزیز کے روزگار کی تلاش کا بندوبست کر دیا ہوگا۔ ۱۳۔ نومبر کے خط میں عزیز کے عالی خاندان ہونے کا ذکر ہے۔ یقیناً شیونرائن کو معلوم ہوگا کہ عزیز کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ لیکن اس خط میں میرزا نے

عزیز کا ذکر ایسے انداز میں کیا ہے گویا شیو نرائن کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا ۔اس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔

روا ں ل واشتہ چہار شنبہ ۱۴، مارچ ۱۸۶۰

وقت دوپہر غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۳۱)

میاں،

دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو۔تب کچھ کلام کرو۔ میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا۔سرنامہ پر لکھا تھا۔عرضداشت،عظیم الدین احمد من مقام میرٹھ۔واللہ باللہ اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ہے کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہ ہر حال پڑھا۔معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔خیر چپ ہو رہا۔ جب میں رام پور سے میرٹھ آیا۔ بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں اترا۔وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے دوست قدیم مجھ سے ملے۔انھوں نے کہا کہ اپنا اردو دیوان مجھ کو بھیج دیجئے گا۔عظیم الدین ایک کتاب فروش اس کو چھاپا چاہتا ہے۔اب تم سنو دیوان ریختہ تم و اکمل کہاں تھا؟ہاں میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔اب جو دلی سے رام پور جانے لگا،تو بھائی ضیاءالدین خاں صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لے کر۔اس کو کسی کاتب سے لکھوا کر۔مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاء الدین خان کو دلی بھیج دیا۔

آمدم برسر دعاے سابق۔اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا تو مجھے یہی کہتے بن آئی:اچھا دیوان میں ضیاءالدین خاں سے کر بھیج دوں گا۔مگر کاپی کی تصحیح کا ذمہ کون کرتا ہے۔نواب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ، میں۔اب کہو کہ میں کیا

کرتا، دلی آ کر ضیاء الدین خاں سے دیوان لیکر، ایک آدمی کے ہاتھ نواب مصطفیٰ خاں صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرانے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟ آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ خاں کو ایک خط بھیجا ہے۔ اور ان کو لکھا ہے اگر چھاپا شروع نہ ہوا تو نہ چھاپا جائے اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر دیوان آ گیا تو فوراً تمہارے پاس بھیج دوں گا اور اگر وہاں کاپی شروع ہوگئی ہے تو میں ناچار ہوں۔ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اگر سرگزشت کو سنکو مجھ کو گنہ گار ٹھہراؤ۔ تو اچھا میرا بھائی۔ میری تقصیر معاف کیجو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے۔ یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو اور دیوان میرا میرے پاس آئے اور تم کو پہنچ جائے۔

۱۹ یا ۲۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پور گیا ہوں۔ تین مہینے کی جہاز کی آمد و رفت ہے۔ سو گزر چکی ہے۔ خواہی اس مہینے میں، خواہی آغاز، آئندہ یعنی مئی میں جواب کے آنے کا مترصد ہوں۔ دیکھیے آئے یا نہ آئے۔ آنے تو خاطر خواہ آئے یا ایسا ہی سرسری آئے۔

(اپریل ۱۸۶۰)

(۳۲)

صاحب،

میں تمہارا گنہ گار ہوں۔ تمہاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت سے وہاں اسے چھپنے نہ دیا اور منگوالیا۔ آج پیر کے دن۔ ۲۵ جون کو پارسل کی ڈاک میں روانہ کیا ہے۔ لو، اب میری تقصیر معاف کرو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضامندی کی مجھ کو اطلاع دو۔ یہ کتاب یعنی دیوان ریختہ کو میں نے دے ڈالا۔ اب اس کے مالک تم ہو۔ میں نہیں کہتا کہ چھاپو۔ میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو، جو تمہاری خوشی ہو۔ سو کرو۔ اگر چھاپو تو بیس جلد کا خریدار مجھ کو لکھ لو اور اچھا میرا میاں، ذرا تصحیح کا بہت خیال رکھو۔

(۴۳)

میاں،

تمہاری باتوں پرہنسی آتی ہے۔یہ دیوان جو میں نے تم کوبھیجا ہے۔تم وکیل ہے اور وہ کون سی دو چار غزلیں ہیں۔ جو میرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ہیں اور اس دیوان میں نہیں؟ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں۔معہذا ے بھی کہوں گا اور وہ غزلیں ان سے منگا کر دیکھ لوں گا ۔

تصویر میری لے کر کیا کرو گے۔ بے چارہ عزیز کیوں کر کھچوا سکے گا؟ ایسی ہی ضرورت ہے تو مجھ کو لکھو۔ میں مصور سے کھچوا تم کو بھیج دو۔ نہ نذر در کار، نہ نیاز، میں تم کو اپنے فرزندوں کے برابر چاہتا ہوں اور شکر کی جگہ ہے کہ تم فرزند سعادت مند ہو۔خدا تم کو جیتا رکھے اور مطالب عالیہ کو پہنچائے۔

سہ شنبہ ۳۔جولائی ۱۸۶۰

غالب

(۳۴)

میاں،

میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔ میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب تمہارا بھیجا ہوا فرما مجھ کو دیں اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمہارا ارادہ اس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو، میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم[1] نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا اور میں نے نظر تمہاری ناخوشی پر بہ جبر اس سے پھیر لیا، یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں؟ تم نے جو خط لکھنا موقوف، میں سمجھا کہ تم خفا ہو۔

---

[1] غالب ذرا کو ز سے لکھتے تھے۔ ہندوستانی اکیڈیمی کے مجموعہ خطوط میں اس خط کا جو فوٹو چھپا ہے اس میں ذرا کو ز ہی سے لکھا ہے۔ [2] خط نمبر ۱۳ میں اس کا نام عظیم الدین لکھا ہے۔

میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیو نرائن سے میری تقصیر معاف کروا دینا۔ بھائی خدا کی قسم میں تم کو اپنا فرزند بلند سمجھتا ہوں۔ اس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے۔ رام پور سے وہ دیوان صرف تمہارے واسطے لکھوا کر لایا۔

دلی میں تصویر بہ ہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی اور دونوں چیزیں تم کو بھیج دیں۔ وہ

تمہارا مال ہے، چاہو اپنے پاس رکھو، چاہو کس کو دے ڈالو، چاہو پھاڑ کر پھینک دو۔ تم نے دستنبو کی جدول بنوا کر ہم کو سوغات بھیجی تھی۔ ہم نے اپنی تصویر اور اردو کا دیوان تم کو بھیجا۔ میرے پیارے دوست ناظر بنسی دھر کی تم یادگار ہو،

اے گل بتو خورسندم تو بوے کسے داری

۱۰ جنوری ۱۸۶۲ء خوشنودی کا طالب

غالب

(۳۵)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو تصویر پہنچی۔تحریر پہنچی سنو میری عمر ستر برس کی ہے اور تمہارا دادا میرا ہم عمر اور باہم ہم باز تھا اور میں نے اپنے نانا صاحب خواجہ غلام حسین مرحوم سے سنا کہ تمہارے پردادا صاحب کو اپنا دوست بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں بنسی دھر کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں۔غرض اس بیان سے یہ ہے ک سوسوا سو برس کی ہماری تمہاری ملاقات ہے۔پھر آپس میں نامہ و پیام کی راہ و رسم نہیں اور اس راہ و رسم کے مسدود ہونے کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں۔اگر تم کو میرے حال سے آگاہی ہوتی تو مجھ کو بسبیل ڈاک کبھی اکبر آباد نہ بلاتے۔

لو اب میری حقیقت سنو، چھٹا مہینا ہے کہ سیدھے ہاتھ میں ایک پھنسی نے پھوڑے کی صورت پیدا کی۔پھوڑا پک کر، پھوٹ کر ایک زخم، زخم کیا ایک غار بن گیا۔ہندوستانی جراحوں کا علاج رہا۔بگڑتا گیا۔دو مہینے سے کالے ڈاکٹر کا علاج ہے۔سلائیاں دوڑ رہی ہیں۔استرے سے گوشت کٹ رہا ہے۔بیس دن سے صورت افاقت کی نظر آنے لگی ہے۔

اب ایک اور داستان سنو، غدر کے رفع ہونے اور دلی کے فتح ہونے بعد میرا پنس کھلا چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔آئندہ کو بدستور ہے کم و کاست جاری ہوا۔مگر لاٹ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی اور مقرری تھا۔مسدود ہو گیا، یہاں تک کہ صاحب سکرتر بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات

کبھی منظور نہیں۔ میں فقیر متکبر، مایوسی دائمی ہوکر اپنے گھر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔ بڑے لاٹ صاحب کے ورود کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو، مجھو کو کیا۔ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا اور کہا کہ نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اس داہنے ہاتھ کے زخم کے، سیدھی ران اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اٹھنا دشوار ہے۔ بہ ہر حال سوار ہوا۔ گیا۔ پہلے صاحب سکرتر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا۔ بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی۔ وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سے اخلاق، وقت رخصت خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت

---

۱ یہ عجیب دعویٰ ہے کہ دیوان ضیاءالدین خاں نیر کے کہنے پر کاتب سے نقل کر کے رام پور سے بطریق ڈاک دلی بھیجا تھا اور وہی نسخہ نیر سے لے کر میرٹھ ارسال کیا تھا۔ خط نمبر ۳۲ میں ہے کہ اسے میرٹھ میں نہ چھپنے دیا اور واپس منگوالیا۔ وہی نسخہ شیو نرائن کو بھیجا۔ اب فرماتے ہیں کہ یہ دیوان شیو نرائن کے واسطے لکھوا کر لائے تھے۔ نیز سمجھ میں نہ آیا کہ جب دیوان کا ایک ہی نسخہ موجود تھا، جو میرزا رام پور سے لائے تھے تو پھر دہلی والوں کو کون سا نسخہ چھپنے کے لیے دیا؟
۲ ۱۸۶۳ء میں غالب کی عمر بہ حساب سنین قمری اڑسٹھ برس کی تھی۔ اور بہ حساب شمسی چھیاسٹھ برس کی۔
۳ ساتھ کھیلنے والا۔

کھل گیا۔ انبالہ جا، دربار میں شریک ہو، خلعت پہن، حال عرض کیا گیا۔ فرمایا، خیر اور کبھی ک دربار میں شریک ہونا۔ اس پھوڑے کا برا ہوا انبالہ نہ جا سکا۔ آگرہ کیوں کر جاؤں۔ بابو ہرگوبند سنگھ سہائے کو سلام مضمون واحد۔

۳۔مئی ۱۸۶۳ء غالب

منشی نبی بخش حقیر

منشی بنی بخش حقیر کے والد کا نام حسین بخش تھا۔ وہ غالب کے ہم وطن یعنی اکبر آبادی تھے اور میرا خیال ہے کہ پہلے سے ان کے ساتھ میرزا کے تعلقات تھے یا کم از کم شناسائی ضرور ہو گی۔ حقیر علی گڑھ (کول) میں سر رشتہ دار تھے۔ پختگی علم و عقل کے زمانے میں روابط بہت بڑھ گئے اور ہو غالباً ۱۸۴۷ء میں میرزا سے ملنے دہلی آئے اور انہی کے پاس ٹھہرے ان کی سخن فہمی اور سخن سنجی کے متعلق میرزا نے تفتہ کو جو کچھ لکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حقیر اپنے عہد کے ممتاز افراد میں سے تھے۔

میرزا لکھتے ہیں:

> ''میں حیران ہوں۔ اس فرزانہ یگانہ منشی نبی بخش حقیر کو کس درجے کی سخن فہمی اور سخن سنجی عنایت ہوئی ہے۔ بیس شعر کہتا ہوں۔ شعر کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن جب تک اس بزرگوار کو نہیں دیکھا تھا نہیں سمجھا تھا کہ سخن فہمی کیا چیز ہے اور سخن فہم کس کو کہتے ہیں مشہور ہے کہ خدا نے حسن کے دو حصے کیے، آدھا یوسف کو دیا اور آدھا تمام بنی نوع انسان کو، کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور ذوق معنی کے بھی دو حصے کیے گئے ہوں۔ آدھا منشی نبی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے حصے میں آیا۔''

غالباً ۱۸۵۸ء میں حقیر نے پنشن لی۔ باقی وقت آگرہ میں گزارا اور ۱۸۶۰ء میں فوت ہوئے۔ ان کے بڑے بیٹے عبدالطیف صحافی بھی جانتے تھے۔ منشی ہرگوپال تفتہ اور میرزا حاتم علی بیگ مہر سے بھی حقیر کے دوستانہ روابط تھے۔

اردوے معلی میں حقیر اور ان کے صاحبزادے عبداللطیف کے نام صرف تین خط ہیں، لیکن جو مجموعہ، نادرات غالب کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں دونوں کے نام چوہتر خط ہیں۔ حقیر شاعر بھی خاصے تھے، اگر چہ ان کا جو منتخب کلام تذکروں میں چھپا ہے۔ وہ چنداں بلند نہیں۔ ان کی سخن فہمی کے متعلق میرزا کا حسن اعتقاد آخر دم تک قائم رہا۔ دوسرے خطوں میں بھی اس بات کا ذکر آیا ہے اور میرزا خود بھی اپنی غزلیں انھیں بھیجتے رہتے تھے۔ بعض خطوں میں لکھتے ہیں:

حیف بر جان سخن گر بہ سخن داں نہ رسد

کوئی وجہ نہیں حقیر کے منتخب کلام کی بنا، پر ان کے فہم سخن یا معنی رسی کو محل نظر قرار دیا جائے یا میرزا غالب کی پختہ رائے میں بے دلیل تضعیف کا پہلو پیدا کیا جائے۔ شعر گوئی کے لیے ذوق معنویت کے علاوہ بھی کئی چیزیں درکار ہیں مثلاً مشق و ریاضت او انہماک و اشتغال جو فرد بہ سلسلہ معاش شعر گوئی سے بے تعلق مشغلے میں مصروف ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے اوصاف بھی بقدر ضرورت پیدا کرے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱)

بھائی،

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میاں کاغذا کاغذ مقبول و مطبوع۔ حق تعالیٰ انکو زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب میرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ انھوں نے جو صورت چھ کتابوں کی آرایش کی، جس تفریق سے ٹھہرائی ہے۔ وہ مجھ کو پسند آئی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزیین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تصریح آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اسی پر عمل رہے۔ میں نے میرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں۔ اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔

بھائی جان میں نے ایک قصیدہ جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں[2]۔ چھ صفحے یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیے جائیں تو کتاب کو قصیدے سے عزت اور قصیدے کو کتاب کے سبب شہرت ہو جائے گی۔ کل جناب میرزا صاحب کو یہ خط لکھ چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ، میرزا صاحب، میرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے اور جب اتفاق تم چاروں صاحب پسند کرو گے گویا باجلاس کونسل اس قانون کا اجراء منظور ہو جائے گا۔ امیدوار ہوں کہ اجراء قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدے کا بھیج دوں۔ مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو۔ تو ہو۔ ورنہ بات

آسان ہے۔

منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی ان کی اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو، میاں باقر علی اور حسین علی تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی قدر مراتب بندگی، سلام دعا کہتے ہیں۔

---

۱ یہ بھی دستنبو کے چھاپے کا ذکر ہے ۲ یعنی شاہ ریاست، روزگار یافت، والا قصیدہ

ہاں حضرت، اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط میرزا تفتہ کو کیا لکھوں، میری طرف سے دعا کہ کر ان کو کہیے گا کہ اخبار گزشتہ کے اوراق مہتمم مطبع، آفتاب عالم تاب حکیم صاحب ۱ کو پہنچ گئے۔ کل دو چار روپے کی ہنڈوی اور ان کے خط کا جواب روانہ کریں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجیے گا اور تاکید کر دیجیے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجیں۔

بھائی، مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ ہم تم اور میرزا تفتہ میں مراسلت ومکالمت ہوگئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ دن بھی رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں، مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا۔ غنیمت ہے کہ محصول آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ جو باتیں جواب طلب ہیں ان کا جواب طلب ہے۔

چہار شنبہ ۲۲۔ ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

(۲)

بھائی،

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنو کے ایک پارسل کی رسید آ گئی ۔ دوسرا ابھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے ۔سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔ میرزا حاتم علی صاحب اگر آ جائیں تو انکو میرا سلام کہنا۔ میرزا تفتہ اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا کہنا۔

دوشنبہ ہفتم ۴ جنوری ۱۸۵۹ء

غالب

منشی عبدللطیف صاحب

صاحب،

آ گے تمہارا ایک خط، پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا۔ بعد اس کے کل ایک خط اور آیا۔ ریڈ صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶۔ دسمبر کی ہے۔ ے۔ کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں سے جانے والے ہیں اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ وہ دو دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ کروں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ وہ صاحب مہر جیسا لکھیں، مجھ کو اطلاع دینا۔ رہی تمہاری مہر۔ اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ وہ جس طرح تم نے لکھا ہے بن جائے گی۔ مگر بھائی، ۱۸۵۸ء کے دن باقی رہے ہیں۔ آج ۶، دسمبر کی ہے۔ ۲۴، دن باقی رہے ہیں۔ ۱۸۵۹ء جنوری مہینے میں خدا چاہے تو کھدجائیگی۔

تم میرے بجائے فرزند ہو۔ میرے بھتیجے ہو جو تمہارا کام ہو، بے تکلف کہو، شرم کیا اور تکلف کیوں؟ یہ میر کا کھدنا کون سا کام ہے۔ میرزا حاتم علی صاحب ملیں تو میرا سلام کہنا اور میرزا تفتہ کو خط لکھو تو میری سفارش لکھنا۔ وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔

۶ دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

لے حکیم احسن اللہ خاں، ہ دیکھیے مکتوب نمبر ۱۸ موسومہ شیونرائن آرام، کا حاشیہ

خطوط غالب۔۔۔عدنان صاحب۔۔صفحہ نمبر ۲۲۵ سے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مجروح، سرفراز حسین اور میرن

میر مہدی مجروح میر حسین نگار کے بیٹے ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ غالب کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے۔ ہنگامہ ''غدر میں دہلی چھوڑ کر پانی پت چلے گئے تھے۔ پھر الور میں ملازم ہو گئے۔ لیکن بد قسمتی سے وہاں سے بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ آخری زمانے میں نواب حامد علی خان مرحوم والی رام پور کی نوازش سے کسی قدر اطمینان کا سانس میسر آ گیا تھا۔

۱۳۱۶ھ میں انکا دیوان مظہر معانی کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ اس کی جمع و ترتیب رفیق قدیم میر افضل علی عرف میرن نے کی تھی جیسا کہ مظہر معانی کے دیباچے اور خاتمے میں مذکور ہے۔ یہ دیوان چھپا ہوا ملتا ہے۔ مجروح کا انتقال ۱۷ صفر ۱۳۲۱ کو بروز جمعہ ہوا۔ قدیم شریف دہلی کے صدر دروازے سے باہر فصیل سے متصل ان کی قبر ہے۔ جس پر سعید الدین احمد خاں طالب کا قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے۔ مظہر معانی کے علاوہ دو رسالے نثر میں لکھے تھے۔ اول معجزات رسول اکرم صلعم بنام انوار اعجاز دوم ہدیۃ الائمہ۔ طلسم راز، کے نام سے ایک تذکرہ بھی مرتب کیا تھا لیکن یہ چیزیں اب ناپید ہیں۔

میر سرفراز حسین میر مجروح کے بھائی تھے۔ یہ بھی نوکری کرتے رہے۔ میرن صاحب کا اصلی نام میر افضل تھا۔ میرزا نے انھیں غالبا۔ اس وجہ سے میرن، کہنا شروع کیا کہ لکھنو میں مجتہد العصر کے بھائی کا عرف میرن تھا۔ اور میرزا نے انھیں غالبا اس وجہ سے میرن کہنا شروع کیا کہ لکھنو میں مجتہد العصر کے بھائی کا

عرف، میرن تھا اور میرزا نے جب سرفراز حسین کو مجتہد العصر کہا تو میر افضل علی کے لیے، میرن مناسب معلوم ہوا۔ یہ مرثیہ پڑھتے تھے۔ غالب نے ایک مرتبہ سرفراز حسین اور میر افضل علی کو ایک تعارفی مکتوب خان سامان علی بخش خان کے نام دے کر رام پور بھیجا تھا۔ لیکن یہ بے چارے بے نیل مرام واپس آئے۔ نواب یوسف علی خاں مرحوم کو اطلاع ملی تو انھوں نے اس بارے میں غالب سے استفسار کیا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ ہیں اور میرن صاحب مرثیہ خواں۔ میں نے اس عرض سے انھیں رام پور بھیجا تھا کہ محرم میں جہاں دس پانچ اور مرثیہ خواں مقرر ہوتے ہیں۔ میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ اور ریاست میں جہاں اور ملازم ہیں، وہاں سرفراز حسین جیسے ہوشیار اور کارگزار آدمی کو بھی نوکری مل جائے۔

یہ دونوں امر یا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا تو بہتر تھا۔ نہ ہوا، بہتر۔ درحقیقت سپارش نہ تھی۔

معرف ہوتا تھا۔ سپارش کرتا تو کیا آپ کو نہ لکھ سکتا تھا؟

مولانا عبدالحق نے لکھا ہے کہ میران صاحب بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ایک شہزادے نے بیٹوں کی طرح پالا۔ گانے بجانے سے ان کی طبیعت کو بہت مناسبت تھی۔ اسی میں لگ گئے۔ وقت کے اچھے اچھے استادوں سے فیض حاصل کیا۔ چونکہ تھوڑا بہت مذہبی لگاؤ بھی تھا۔ سوز خوانی میں خوب کمال حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بھاگ کر پانی پت پہنچے۔ پھر الور گئے۔ مہاراجہ نے ان کی قدر فرمائی۔ جب مہاراجہ کے اختیارات سلب ہو گئے تو الور چھوڑنا پڑا۔ کچھ مدت نواب

پٹوڈی کی مصاحبت میں گزاری پھر دلی آ گئے۔نواب سعید الدین احمد خاں طالب جب تک زندہ رہے۔ان سے سلوک کرتے رہے۔

حیدر آباد بھی گئے۔نواب محسن الملک کے چچیرے بھائی سید علی حسن نے نواب وقار الامراء سے ملا دیا۔جب تک نواب زندہ رہے ہر سال پانسو روپے میرن صاحب کو پہنچا دیتے تھے۔مولانا کو ایک مرتبہ انھوں نے میرزا غالب کی یہ غزل گا کر سنائی تھی:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان کے ایک استاد بے پتا ہو گئے تھے۔ان کی دو لڑکیاں بے یارو مددگار رہ گئیں۔میرن صاحب نے انھیں بیٹیوں کی طرح پالا اور ایسی محبت و شفقت کی کہ وہ باپ کو بھی بھول گئیں۔ان کی اپنی بھی ایک بیٹی تھی، جس کی شادی سید عبدالروف بیرسٹر سے ہوئی تھی۔

حلیہ یہ تھا۔میانہ قد، سرخ و سفید رنگ۔سفید ڈاڑھی پوری تو نہیں کسی قدر چڑھی ہوئی۔گول چہرہ، ہونٹ نہ موٹے نہ پتلے، پیشانی چوڑی۔جوانی میں ضرور حسین ہوں گے۔

مولانا عبدالحق لکھتے ہیں۔کسی مرید کو اپنے مرشد سے شاید ہی ایسی عقیدت ہو، جیسی میرن صاحب کو میرزا سے تھی۔ایک بار حیدر آباد کے ایک وکیل کسی سے ذکر کر رہے تھے کہ میرزا غالب شراب پیتے تھے۔میرن صاحب قریب کے کمرے میں کپڑے بدل رہے تھے۔انکے کان میں بھنک جا پڑی۔ویسے ہی باہر نکل آئے۔وکیل صاحب پر بہت بگڑے ذرا ٹھنڈے ہوئے تو مولانا عبدالحق نے

پوچھا: کیا میرزا کی عرق نوشی کا واقعہ غلط ہے؟ بولے:

یہ لوگ کیا جانیں؟ یونہ جو جی میں آیا۔ بک دیتے ہیں۔ پھر بیان کرنا شروع کیا کہ پاک صاف آبخورے میں تھوڑی سی ڈالی تھی۔ اس میں گلاب ملایا جاتا۔ اس پر صافی لپیٹ کر ادھر ہوا میں لٹکا دیا جاتا۔ رات کے وقت جب کوئی نہ آتا۔ صرف میں یا مجروح ہوتے۔ تو پیتے۔ اس کے بعد توبہ استغفار کرتے۔ غرض مے نوشی کا واقعہ ایسے انداز میں بیان کیا گیا گویا میرزا آب کوثر پیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے میرزا کا کوئی شعر پڑھا۔ اس میں کوئی لفظ بدل گیا تھا۔ سن کر فرمانے لگے: میرزا صاحب کا شعر غلط نہ پڑھنا چاہیے۔ گناہ ہوتا ہے۔

ان کے دوستوں میں ایک صاحب نصیر الدین تھے۔ جنھیں غالب شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے نام کی مناسبت سے کبھی کبھی چراغ دہلی لکھتے تھے۔ یہ شاہ محمد عالم کی اولاد میں سے تھے۔ جو مولانا فخر الدین عالم کے خلیفہ تھے۔ ایک حکیم صاحب میر اشرف علی تھے۔ ان کا ذکر متعدد خطوں میں آیا تھا۔ میر سرفراز حسین کو غالب اکثر مجتہد العصر لکھتے تھے

(۱)

میاں،

آج یک شنبہ کا دن، ساتویں فروری ۱۸۵۸ کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی ۱۲۷۴ء کی ہے۔ دوپہر کیوقت شیخ مشرف علی۔ رہنے والے استاد حامد کے کوچہ کے، میرے پاس ائے اور انھوں نے تمہارا خط لکھا ہوا۔ ۱۵، جمادی الثانی کا دیا۔ ڈاک کا خط ہرگز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا۔ وہیں ہوں خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا۔ بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا خط آوے اور میں پھیروں۔ تم خود کہتے ہو کہ اس پر یہ لکھا ہوا آیا کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے۔ میں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں؟ آگرہ اور الور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں۔

تمہاری والدہ کا مرنا سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ خدا تم کو صبر دے اور اس عفیفہ کو بخشے۔ میرا حقیقی بھائی میرزا یوسف خاں دیوانہ بھی مر گیا۔

کیسا حُسن اور کہاں اس کا ماننا، یہاں جان کے لالے پڑے ہیں:

ہے موج زن اک قلزم خوں، کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائے گی۔ تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے آنا۔ میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو کہ یہاں ہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے۔ میں مخفی

نہیں ہوں۔ روپوش نہیں ہوں۔ حکام جانتے ہیں کہ یہاں ہے۔ مگر نہ بازپرس و گیر و دار میں آیا ہوں۔ نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کا کیا ہے۔ بایں ہمہ نہیں ہوں۔ دیکھیے انجام کا کیا ہے۔

نثر کیا لکھوں اور نظم کیا کہوں گا۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو۔ وہی دو چار ورق اور بھی سیاہ کیے گئے ہیں [1]۔ بھیجنا ممکن نہیں۔ جب آؤ گے اور مجھ کو جیتا پاؤ گے تو دیکھ لو گے۔ میکش [2] چین میں ہے۔ باتیں بناتا پھرتا ہے۔ سلطان جی میں تھا۔ اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی اور لڑکے کو بہرام پور، میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔ میرن [3] صاحب کی خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ مگر نہ معلوم ہوا کہ وہاں مع قبائل ہیں یا تنہا ہیں۔ اگر تنہا ہیں تو قبائل کہاں ہیں؟

تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں ہیں اور اچھی طرح ہیں۔ بڑے بھائی کا حال کیوں نہ لکھا؟ یقین ہے کہ وہ اور تم یک جا ہو۔ گو ان کو ربط مجھ سے زیادہ نہیں لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہیں۔ خط بھیجنے میں تردد نہ کرو اور ڈاک میں بے تامل بھیجا کرو۔ زیادہ، زیادہ۔

یک شنبہ ہفتم فروری ۱۸۵۸ء وقت

رسیدن نامہ غالب

---

[1] یہ غالباً دستنبو کی طرف اشارہ ہے۔ [2] میر احمد حسین میکش جنھیں بعد میں پھانسی ملی۔ [3] یعنی میر افضل علی عرف میرن۔

صاحب،

وہ خط تمہارے بہ سبیل ڈاک آئے۔ کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی، سانولے سلونے ڈاڑھی منڈے۔ بڑی آنکھوں والے، تشریف لائے۔ تمہارا خط دیا۔ صرف ان کی ملاقات کی تقریب میں تھا۔ بارے ان سے اسم شریف پوچھا گیا، فرمایا: اشرف علی۔ قومیت کا استفسار ہوا۔ معلوم ہوا، سید ہیں۔ پیشہ پوچھا۔ حکیم نکلے۔ یعنی حکیم میر اشرف علی میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ خوب آدمی ہیں اور کام کے آدمی ہیں۔

کتنے اوچھے ہو۔ مصطلحات الشعراء، مصطلحات الشعراء بھائی وہ کتاب تمہاری ہے۔ میں نے غصب نہیں کی۔ میرے پاس مستعار رہے۔ دیکھ چکوں گا۔ بھیج دوں گا۔ تقاضا کیوں کرو؟ میں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جلدی نہ کرو۔ دیر آید درست آید۔ سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین کی دعائیں۔

صبح چہار شنبہ ہفتم رمضان (۱۲۷۴ھ)

غالب

بیستم اپریل (۱۸۵۸ء)

کیوں یار، کیا کہتے ہو؟ ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں؟ تمہارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا:

وعدہ	وصل	چوں	شود نزدیک
آتش	شوق	تیز	تر گردو

کلو کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ آپ کہیں جائیے گا۔ نہیں آتا ہوں۔ بھلا بھائی اچھی حکمت کی۔ کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے۔ میں ان کو بلاتا؟ انھوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ میں حاضر ہوتا ہوں۔ دو گھڑی کے بعد وہ آئے۔ ادھر کی بات، ادھر کی بات۔ کوئی انگریزی کاغذ دکھایا۔ کوئی فارسی خط پڑھوایا۔ اجی۔ کیوں حضرت آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے؟ صاحب، تو ان کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا ان کو پتا لکھا ہے کہ وہاں ٹھہر کر مجھ کو اطلاع کرو۔ میں شہر میں بلا لوں گا۔ صاحب، اب ضرور آجائیں گے۔ آخر کار ان سے اجازت لے کر اب تم کو لکھتا ہوں۔ کہ ان سے مختصر یہ کہہ دو کہ بھائی یہ تو مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید وہاں کرو، تو باسی عید یہاں کرو۔

---

[1] اس تاریخ میں دو غلطیاں تھیں جن کی تصریح ضروری ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں مرقوم ہ ہفتم رمضان، ۱۲۷۵ ہشتم مارچ ۱۸۵۸ء میرے اندازے کے مطابق ان میں سے غلطی خود غالب سے سرزد ہوئی اور دوسری کاتب یا ناقل سے۔ ۷ رمضان ۱۲۷۵ھ

کو دن یقیناً چہار شنبہ تھا۔ غالب نے اس کے ساتھ انگریزی تاریخ بیستم لکھی تھی۔ یا ناقل نے اسے ہشتم بنا دیا۔ مہینا مارچ کا نہیں۔ اپریل کا ہونا چاہیے تھا۔ یہ غلطی خود غالب سے ہوئی۔ میں نے دونوں غلطیاں کی تصحیح کر دی ہے۔

میرا حال سنو کہ بے رونق جینے کا ڈھب مجھ کو آ گیا ہے۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینا روزے کھا کھا کر کاٹا۔ آئندہ خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔ بس صاحب جب ایک چیز کھانے کو ہوئی۔ اگر چہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے؟

میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین کو دعا اور شفیع احمد صاحب کو اور امیر احمد علی صاحب کو سلام کہنا۔ میرن صاحب کو نہ سلام نہ دعا۔ یہ خط پڑھا اور ادھر کو روانہ کرو۔

کیا خوب بات یاد آئی ہے۔ کیوں وہ شہر سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کو بلانے کی راہ دیکھیں؟ شکرم میں، کرانچی میں۔ چوپہیے ہیں یعنی ڈاک میں آئیں۔ بلی ماروں کے محلے میں میرے مکان پر اتر پڑیں۔ مرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی مظہر علی رہتے ہیں۔ میرے ان کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی درمیان ہے۔ ڈاک کو زنہار کوئی نہیں روکتا۔ یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اس خط کے پہنچتے ہی چل دیں تو بھی عید یہیں کریں۔

(مئی ۱۸۵۴ء)

غالب

(۴)

خوبیٔ دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہم نام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو۔ جہاں دوسرا امیر مہدی بھی ہو۔ مجھ کو دیکھو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہم نام ہونے دیا۔ نہ کوئی اپنا ہم عرف بننے دیا۔ نہ ہم تخلص بہم پنچایا۔ فقط

پنس کی صورت یہ ہے کہ کوتوال سے کیفیت طلب ہوئی۔ اس نے اچھی لکھی۔ کل ہفتے کے دن ساتویں اگست کی مجھ کو اجرٹن صاحب بہادر نے بلایا۔ کچھ سہل سوال مجھ سے کیے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہ ملے۔ تردد اگر ہے تو اس میں ہے کہ پندرہ مہینے پچھلے بھی ملتے ہیں یا صرف آیندہ کو مقرر ہوتی ہے۔

غلام فخر الدین خاں کی دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں۔ صورت اچھی ہے۔ خدا چاہے تو رہائی ہو جائے۔

صاحب ہم نے گھبرا کر اس تحریر فارسی ۲ کو تمام کیا۔ دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست ۱۸۵۸ء تک میں نے پندرہ مہینے کا حال لکھا اور آیندہ لکھنا موقوف کیا۔ تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرہ اخیر لکھ بھیجو۔ اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے کہ جلد لکھو تا کہ میں اس سے آگے کی عبارت تم کو لکھ بھیج دوں۔ ہاں صاحب، میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں۔ اگر آ جائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا۔

۸۔اگست ۱۸۵۸ء غالب

۱۔ میرزا علی بخش خاں (غالب کے نسبتی بھائی) کے فرزند اور میرزا کی بھتیجی (یوسف خاں کی بیٹی) کے خاوند۔ ۲۔ دستنبو۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

(۵)

میاں،

تم کو پنسن کی کیا جلدی ہے، ہر بار پنسن کو کیوں پوچھتے ہو؟ پنسن جاری ہو تو تم کو اطلاع نہ دوں؟ ابھی تک کچھ حکم نہیں۔ دیکھوں کیا حکم ہو اور کب ہو؟ میرن صاحب جے پور پہنچے۔ تم شاہ پور ہی بتاتے ہو۔ خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یا کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں۔ سو وہاں کیا خاک جمع ہوں گے، سنی الگ، شیعہ الگ، نیک جدا، بد جدا، میر سرفراز حسین کو دعا، میر نصیر الدین کو پہلے بندگی۔ پھر دعا، کتاب کا نام، دستنبو رکھا گیا۔ آگرہ میں چھاپی جاتی ہے تم سے تمہارے ہاتھ کے اوراق لکھے لوں گا۔ تب ایک کتاب تم کو دوں گا۔

روز و روز نامہ۔ پنجشنبہ۔ ۷ ستمبر ۱۸۵۸

از غالب

(۶)

سید صاحب،

تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی، جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو، لیکن زمانہ وہ آیا ہے کہ ہماری قسمت میں خوشی ہے ہی نہیں۔ خط سے معلوم ہوا تو کیا معلوم ہوا کہ ڈھائی سو دیے۔ ان دنوں میں ڈھائی روپے میں بھاری ہیں۔ ڈھائی سو کیسے ہیں۔ سبحان اللہ، باوجود اس تہی دستی کے پھر بھی کہنا پڑتا ہے کہ روپے گئے بلا سے۔ آبرو بچی۔ اب میر سرفراز حسین کو چاہیے کہ الور چلے جائیں۔ شاید نئے بندوبست میں کوئی صورت نوکری نکل آئے۔ میری دعا کہو اور یہ کہو کہ اپنا حال اور اپنا قصہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو لکھیں۔ پنسن کا حکم کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں، حاکم، خط کا جواب نہیں لکھتا۔ عملے میں ہر چند تفحص کیجئے کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا۔ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ بہ ہر حال اتنا سنا ہے اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ میں بے گناہ قرار پایا ہوں اور ڈپٹی کمشنر بہادر کی رائے میں پنسن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ پس اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم نہ کسی کو خبر۔

میاں، کیا باتیں کرتے ہو؟ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا؟ روٹی کھانے کو نہیں، شراب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں، لحاف توشک کی فکر ہے۔ کتابیں کیا چھپواؤں گا۔ منشی امید سنگھ اندور والے دلی آئے تھے۔ سابقہ معرفت مجھ سے نہ تھا۔ ایک دوست ان کو میرے گھر لے آیا۔ انھوں نے وہ نسخہ دیکھا۔ چھپوانے کا قصد کیا۔ آگرے میں میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ تھا۔ اس کو میں نے لکھا۔ اس نے

اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا۔مسودہ بھیجا گیا۔آٹھ آنہ فی جلد قیمت ٹھہری۔پچاس جلدیں منشی امید سنگھ نے لے لیں۔پچیس روپ چھاپے خانے میں بطور ہنڈوی بھجوا دیے۔صاحب مطبع نے بشمول سعی منشی ہرگوپال تفتہ چھاپنا شروع کیا۔آگرہ کے حکام کو دکھایا۔اجازت چاہی، حکام نے بکمال خوشی اجازت دی۔پانسو جلد چھاپی جاتی ہے۔اس پچاس جلد میں شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دیں گے۔ میں عزیزوں کو بانٹ دوں گا۔پرسوں خط تفتہ کا آیا تھا۔وہ لکھتے ہیں کہ ایک فرما چھپنا باقی رہا ہے۔یقین ہے کہ اسی اکتوبر میں قصہ تمام ہو جائے۔بھائی، میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے اکیسویں جولائی ۱۸۵۸ء کا حال لکھا ہے۔اور خاتمے میں اس کی اطلاع دے دی ہے۔امین الدین خاں کو جاگیر ملنے کا حال اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا؟ ان کو جاگیر اگست میں ملی، بادشاہ اکتوبر میں گئے۔کیا کرتا اگر تحریر موقوف نہ کرتا؟ منشی امید سنگھ اندور جانے والے تھے۔اگر ختم کر کے مسودہ ان کے سامنے آگرہ نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون؟ بلیک صاحب کے جے پور میں ٹکڑے اڑ گئے۔گورنر مدعی نہ ہوئے۔قصاص نہ لیا۔اب ایک ہندوستانی کے خون کا قصاص کون لے گا۔

اے سبزہ سر رہ از جور پاچہ خالی
در کیش روزگا راں گل خوں بہانہ دارد

خیر جو ہونا ہے ہو رہے گا۔بعد وقوع ہم بھی سن لیں گے۔تم اتنا کیوں دل جلا رہے ہو؟

اکتوبر ۱۸۵۸ء

(۷)

بھائی،

ایک خط تمہارا پہلے پہنچا اور ایک خط کل آیا۔ پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اگر چہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی۔ لیکن چونکہ وہ امر لکھنے کے لائق تھے۔ اس واسطے اک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ ہے کہ آج نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے۔ انکو دیکھ کر دل خوش ہوا۔ تم نے بھی خط میں لکھا تھا۔ کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے۔ اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے۔ وہ ادھر گئے، میں ادھر آیا۔ ظاہراً پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوے ہیں۔ ان کی کتاب رہ گئی۔ اب ان تک کیوں کر پہنچے گی۔ خدا خیر کرے۔

میاں لڑکے، سنو میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمد اعظم صاحب کے، وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا، اس واسطے میر نصیر الدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں اور پھر تمہارے علاقے سے دعا۔ صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں:

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی؟ یہ بات اچھی نہیں، تو میں ڈر گیا اگر تمہارے خط میں ان کو دعا سلام لکھوں گا تو ان سے تم کا ہے کا کہو گے۔

پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیر الدین نے ان کی بندگی مجھ سے کہی ہے۔ خدا کے واسطے میری دعا ان سے کہہ دینا۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۸)

واہ وا سید صاحب م تم بری عبادرت آرائیاں کرنے لگے۔ نثر میں خودنمائیاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاڑے نے بے حس وحرکت کر دیا ہے۔ آج جو بہ سبب ابر کے وہ سردی نہیں تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے، مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی کروں، جو سخن پردازی کروں۔ بھائی تم اردو کے میرزا قتیل بن گئے ہوں۔ اردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رود نیل بن گئے ہو۔ کیا قتیل کیا رود نیل، یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں۔ لو سنو۔ اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں۔

چوک امیں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا۔ اس میں سنگ وخشت وخاشاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلی ماروں کے دروازے کے پاس کئی دکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں پنسن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل، میرزا قیصر، میرزا جواں بخت کے سالے میرزا ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ، ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہو گئی ہے۔ بادشاہ، میرزا جواں بخت، میرزا عباس شاہ، زینت محل کلکتہ پہنچے اور وہاں سے جہاز چڑھائی ہو گی۔ دیکھیے کیپ ۂ میں رہیں یا لندن جائیں۔ خلق نے از روے قیاس، جیسا کہ دلی کے خبر تراشوں کا دستور رہے۔ یہ بات اڑادی۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری ۱۸۵۹ء میں لوگ عموما شہر میں آباد کیے جائیں گے اور پنسن داروں کی جھولیاں بھر بھر کر روپے دیے جائیں گے۔ خیر آج

بدھ کا دن ۲۲ دسمبر کی ہے ۔ اب کے شنبہ کو بڑا دن اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے ۔ اگر جیتے ہیں تو دیکھ لیں گے کہ کیا ہوا۔ تم اس کا جواب لکھو اور شتاب لکھو۔

میری جان سرفراز حسین تم کیا کر رہے ہو، اور کس خیال میں ہو ۔ اب کیا صورت ہے اور آیندہ عزیمت کیا ہے ۔ اشرف علی صاحب آپ تو دائرہ و سائر تھے ۔ پانی پت میں مقیم کیوں ہو گئے ۔ کچھ لکھیے تو جانوں ۔ میر نصیر الدین کو صرف دعا اور اشتیاق دیدار، میرن صاحب کہاں ہے؟ کوئی جائے اور بلا لائے ۔ حضرت آئے ،سلام علیکم مزاج مبارک کہیے مولوی مظہر علی نے آپ کے خط کا جواب بھیجا یا نہیں؟ اگر بھیجا تو کیا لکھا؟ میں جانتا ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور یہ ستم پیشہ میر مہدی بہت آپ کی جناب میں گستاخیاں کرتے ہیں ۔ کیا کروں؟ میں کہیں، تم کہیں وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ کیوں کر تم سے بے ادبیاں کر سکتے ہیں ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جب ایک جا ہوں گے ، انتقام لیا جائے گا، ہے ہے کیوں کر ایک جا ہوں گے ۔ دیکھیے زمانہ اور کیا دکھاتا ہے ۔ اللہ، اللہ، اللہ!

بدھ ۲۲۔ دسمبر ۱۸۵۸ء

غالب

(۹)

سید صاحب،

نہ تم مجرم نہ میں گنہ گار، تم مجبور، میں ناچار، لو اب کہانی سنو۔ میری سرگزشت میری زبانی سنو، نواب مصطفیٰ خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے ہیں۔ سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی۔ صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنسن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں۔ میں بہ مجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا ان کو دیکھا۔ چار دن وہاں رہا، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں۔ مگر ہفتہ کو گیا۔ منگل کو آیا۔ آج بدھ دوم فروری ہے۔ مجھ کو آئے ہوئے

۱؎ چاندنی چوک ۲؎ کیپ سے مراد بظاہر جنوبی افریقہ ہے کیپ ٹاؤن ممکن ہے بادشاہ کو جنوبی افریقہ بھیجنے کی تجویز بھی ہو۔

نواں دن ہے۔ انتظار تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے۔ آج صبح کو تمہارا خط آیا۔ دوپہر کو میں جواب لکھتا ہوں:

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازے کا تھانیدار مونڈھا بچھا کر سڑک پر

بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے۔ اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا جماعہ دار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا، بھائی تو مجھے نقشے میں نہ رکھ، میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ۔ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنسن دار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا۔ نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا۔ کرنل برون صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جماعہ دار نے محلے کے نقشے کے ساتھ کوتوالی میں بھیج دی۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں؟ جو مکان بن چکے ہیں انھیں ڈھا دو اور آیندہ کی ممانعت کا حکم سنا دو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے۔ گھر برباد ہو جائے۔ آپ شہر آباد ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے۔ دیکھیے شہر کے بسنے کی کون مہورت ہے؟ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کیے جاتے ہے یا جو باہر پڑے ہوے ہیں۔ وہ شہر میں آتے ہیں؟ الملک اللہ والحکم للہ۔

نور چشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا اور جناب میرن

صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی۔ اس میں سے جو وہ چاہیں قبول کریں۔

(بدھ ۲۔ فروری ۱۸۵۹ء) غالب

۱؎ گویا ۲۲۔ جنوری کو گئے ۲۵ کو واپس آئے۔ ۲؎ اسی صاحب کے متعلق وہ لطیفہ مشہور ہے کہ غدر کے بعد میرزا سامنے آئے تو اس نے پوچھا، ول ٹم مسلمان؟ میرزا نے کہا: آدھا کرنل نے کہا، اس کا مطلب؟ میرزا نے کہا، شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا، یادگار۔ ۳؎ یہ مکان کا تابع مہمل ہے۔ نہ کہ دکان

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

(۱۰)

میاں،

کیوں تعجب کرے ہو یوسف میرزا کے خطوط نہ آنے سے؟ وہ وہاں اچھی طرح ہے۔ حاکموں کے ہاں آنا جانا، نوکری کی تلاش، حسین میرزا صاحب بھی وہیں ہیں۔ وہاں کے حکام سے ملتے ہیں۔ وہاں پنسن کی درخواست کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتے میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں۔ جواب بھیجتا ہوں۔

بھائی لکھنو میں وہ امن و امان ہے کہ نہ ہندوستانی عامداری میں ایسا امن و امان ہوگا۔ نہ اس فتنہ و فساد سے پہلے انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امراء اور اشرفا کی حکام سے ملاقاتیں۔ بقدر رتبہ تعظیم و توقیر، پنسن کی تقسیم علی العموم، آبادی کا حکم عام، لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں۔

اور ایک نقل سنو، وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ عملے میں ہنود بھرے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام نہیں، ہنود کو اور علاقوں پر بھیج دیا اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا۔ یہ آفت تو دلی پر ٹوٹ پڑی ہے۔ لکھنو کے سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے۔ جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے۔ ٹکٹ آبادی ورون شہر دہلی بشرط دخال جرمانہ، مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار عام تعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھیے یہ کاغذ کیوں کر تقسیم ہوں۔

یہ کیفیت عموماً شہر کی ہے۔ خصوصاً میرا حال سنو، بائیس مہینے کے بعد پرسوں کوتوال کا حکم آیا ہے۔ کہ اسد اللہ خاں پنسن دار کی کیفیت لکھو کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں۔ کوتوال نے موافق ضابطے کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوال چبوترے جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے۔ تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت مفلسی چڑھا ہوا روپیہ مل جائے گا اور آئندہ کو پنسن جاری ہو جائے گی۔ نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھہروں گا۔ چھ مہینے یا برس دن کا روپیہ علی الحساب پانے کا۔

میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں۔ اس طلب کے جواب میں یہی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کا حاصل کر کے بھیج دو تو آؤں؟ دیکھو اب پانچ دن میں سب حال کھلا جاتا ہے۔ میر سرفراز حسین کو دعا اور میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔

(فروری ۱۸۵۹)

غالب

میری جان،

خدا تم کو ایک سو بیس برس کی عمر دے۔ بوڑھا ہونے کو آیا۔ ڈاڑھی میں بال سفید آ گئے۔ مگر بات سمجھنی نہ آئی۔ پنسن کے باب میں الجھے ہو اور کیا بے جا الجھے ہو۔ یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنسن داروں کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنسن نہیں ملا۔ یہ فروری ۱۸۵۹ء بائیسواں مہینا ہے۔ چند اشخاص کو بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوے روپے کے باب میں، اور آیندہ نہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعے سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں؟ یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انملی ہے:

چیل بسو لالے گئی تو کا ہے سے پھکوں راب ؟

علی بخش خاں ایچاس روپیہ پاتے تھے۔ بائیس مہینے کے گیارہ سو روپے ہوتے ہیں۔ اور ان کو چھ سو روپے مل گئے۔ باقی روپیہ چڑھا رہا۔ آیندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں، سو روپیہ مہینے کا پنسن دار۔ بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں۔ اس کو بارہ سو روپے مبے۔ مناجماعدار دس روپیہ مہینا کا سلمہ لبر۔ سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا۔ اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے۔ آیندہ کے واسطے کچھ حکم نہیں۔ مجھ کو مدد خرچ نہیں ملا۔ جب کئی خط لکھے تو اخیر خط پر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپے مل جائیں۔ میں نے دو سو روپے نہ لیے۔ اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپے آٹھ آنے

مہینا پانے والا ہوں۔ سال بھر کے ساڑھے سات سو روپے ہوتے ہیں۔ سب پنسن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ ملا، مجھ کو سو روپے کیسے ملتے ہیں؟ مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جائے۔ ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔

آبادی کا یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر، ٹکٹ چھپوا کر اجرٹن صاحب بہادر طریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلیکے حمتا، جو باہر پڑے ہوئے ہیں۔ منہ کھول کر رہ گئے۔ اب وہ جب معاودت کریں گے۔ تب شاید آبادی ہوگی یا کوئی اور نئی صورت نکل آئے۔

میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین اور میرن صاحب کو دعائیں پہنچیں۔

(فروری ۱۸۵۹ء)

غالب

(۱۲)

میری جان، سنو داستان، صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس[1] صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا۔ پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا۔ صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے۔ میں الٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۵ فروری کو گیا۔ ملاقات ہوئی۔ کرسی دی۔ بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے میکلوڈ صاحب[3] حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا۔ تمہارے باب میں لکھتے ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو۔ سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو؟ حقیقت کہی گئی۔ ایک کاغذ آمدہ ولایت لے گیا تھا۔ وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے؟ اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا ایک میکلوڈ صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک ہم کو دو۔ میں نے عرض کیا۔ کل حاضر کروں گا۔ پھر پنسن کا حال پوچھا۔ وہ گزارش کیا۔ اپنے گھر آیا او خوش آیا۔

---

[1] علی بخش خاں، میرزا غالب کے برادر نسبتی [2] فلپ ہنری ایجرٹن آئی سی ایس و (۱۸۲۴ء، ۱۸۹۳ء، ۱۸۹۴ء) میں ہندوستان آیا۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۹ء تک دہلی میں مجسٹریٹ کلکٹر رہا۔ ایام غدر میں رخصت پر تھا۔ بعد ازاں امرتسر اور راولپنڈی میں کمشنر رہا [3] میکلوڈ ۱۸۱۰ء، ۱۸۷۰ء) مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ ۱۸۴۹ء میں جالندھر کا کمشنر بنا۔ غدر کے دنوں میں لاہور میں تھا۔ ۱۸۶۵ سے ۱۸۷۰ء تک لفٹنٹ گورنر رہا، سندھ، پنجاب اور دہلی ریلوے کا چیر مین تھا۔ کہتے ہیں عوام کا

ہمدرد تھا۔ پنجاب یونیورسٹی اسی کے زمانے میں قائم ہوئی۔ ۱۸۷۲ء میں لندن کی زمین دوز ریلوے کے حادثے میں مضروب ہوا۔ اسی صدمے سے وفات پائی۔

دیکھو، میر مہدی حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر؟ کتابوں سے کیا اطلاع؟ پنسن سے کیا مدعا؟ یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے۔ یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی ہے غرضکہ دوسرے دن یک شنبہ یوم تعطیل تھا۔ میں اپنے گھر آیا۔ دوشنبہ ۲۸۔ فروری کو گیا۔ باہر کے کمرے میں بیٹھ کر اطلاع کروائی۔ کہا اچھا توقف کرو۔ بعد تھوڑی دیر کے گڈھ کپتان[۱] کی چٹھی آئی۔ سواری مانگی۔ جب سواری آ گئی۔ باہر نکلے، میں نے کہا: وہ کتابیں حاضر ہیں۔ کہا، منشی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ ادھر سوار ہو گئے ہیں۔ ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا۔ سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا۔ بہت التفات[۲] اور اختلاط سے باتیں کرتے رہے۔ کچھ سرٹیفکیٹ گورنروں کے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ دکھائے۔ بہت اچھا کہہ کر رکھ لیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنسن کے باب میں اجرٹن صاحب بہادر کو کچھ لکھا ہے۔ تم ان سے ملو۔ عرض کیا بہتر، اجرٹن صاحب بہادر جیسا کہ تم کو معلوم تھا۔ گئے ہوے تھے۔ کل وہ آئے۔ آج میں نے ان کو خط لکھا ہے۔ جیسا کہ وہ حکم دیں گے۔ اس کے موافق کروں گا۔ جب بلائیں۔ تب جاؤں گا۔ دیکھو سید اسد اللہ الغالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا۔ بائیس مہینے تک بھوکا پیاسا بھی نہ رہنے دیا۔ پھر کسی محکمے سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے۔ میرے تفقد کا حکم بھجوایا۔ حکام سے مجھ کو عزت دلوائی۔ میرے صبر و ثبات کو داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اسی کا بخشا ہوا تھا۔ میں کیا اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا۔ میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھوا

دینا اور ان کو اور نصیر الدین چراغ دہلی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا۔

(مارچ ۱۸۵۹ء)

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میر مہدی:

جیتے رہو آفرین، صد ہزار آفرین، اردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو، دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی۔ سو ایک ظالم پانی پت۔ انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا۔ مگر میں نے اس کو بحل کیا۔ اللہ برکت دے۔

میرے پنسن اور ولایت کے انعام کا حال کما ہو حقہ، سمجھ لو۔ واللہ الرحمٰن الطاف خفیہ، ایک خاص طرز پر تحریک ہوئی۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کے پنسن کے چڑھے ہوے روپے یک مشت پانے کی اور آیندہ ماہ بماہ کی رپورٹ منگوا کر، اپنی منظوری لکھ کر، ہمارے پاس بھیج دو تا کہ ہم منظوری دے کر تمہارے پاس بھیج دیں۔ سو یہاں اس کی تعمیل بطور مناسب ہو گی۔ کم و بیش دو مہینے میں سب روپیہ مل جائے گا۔ اور ہاں، صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو روپیہ کی ضرورت ہو تو سو روپے خزانہ سے منگوا لو۔ میں نے کہا، صاحب، یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کو یہ بات برسوں میں میسر نہ آئے گی۔ میں چپ ہو رہا ہو۔ آج دوشنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے۔ دوپہر ہو جائے تو اپنا آدمی مع رسید بھیج کر سو روپے منگا لوں پر یار ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے۔ حکم تو اسی حکم کے ساتھ اس کی رپورٹ کرنے کا بھی آیا ہے۔ مگر یہ بھی حکم ہے

کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھیے یہ دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں۔ پنجاب کے گورنر بہادر کا یہی حکم ہے کہ دستنبو منگا کر اور تم دیکھ کر ہم کو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے ایک کتاب بھی کہہ کر مجھ سے مانگی اور میں نے دی۔ اب دیکھو حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے۔ اس وقت تمہارا ایک خط اور یوسف میرزا کا ایک خط آیا۔ مجھے باتیں کرنے کا مزا ملا تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا۔ اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں۔ میر سرفراز حسین، میرن صاحب، میر نصیر الدین کو دعا۔

(۷۔ مارچ ۱۸۵۹ء)

از غالب

یکم شعبان ۱۲۷۵ء

---

۱ قلعے کا افسر اور نگران ۲ منشی مہیش پرشاد کے یہاں لفظ، استنباط ہے جس کا کوئی مفہوم یہاں درست نہیں بیٹھتا۔ انبساط ہو سکتی ہے۔ التفات کی بھی ایک روایت ہے۔ ۳ اس سے مراد میر مہدی ہیں جو غدر کے زمانے میں دہلی سے نکل کر پانی پت چلے گئے تھے اور انصاریوں کے محلے میں رہتے تھے۔ یہ صرف خود خواجہ حالی نے کی جن کی طرف پانی پت اور انصاریوں کے محلے کو بنا پر لوگوں کا خیال گیا تھا۔

سید،

خدا کی پناہ، عبارت لکھنے کا ڈھنگ ہاتھ کیا آیا ہے۔ کہ تم نے سارے جہان کو سر پر اٹھایا ہے۔ ایک غریب سید مظلوم کے چہرہ نورانی پر مہاسا نکلا ہے۔ تم کو سرمایہ آرائش گفتار بہم پہنچا ہے۔ میری ان کو دعا پہنچاؤ اور ان کی خیر و عافیت جلد لکھو۔

بھائی، یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک کی شدت ہوتی تھی۔ آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی ہے۔ آج ۲۷، مارچ کی ہے۔ پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں۔ آنچ ویسی ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے۔

مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے۔ تم کو یاد ہوگا کہ ایک دستنبو نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نذر بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے بسبیل ڈاک آیا۔ وہی کاغذ افشانی، وہی القاب قدیم کتاب کی تعریف، عبارت کی تحسین، مہربانی کے کلمات، کبھی تم کو خدا یہاں لائے گا اس کی زیارت کرنا۔ پنسن کے ملنے کا حکم بھی آج کل آیا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی توقع پڑی ہے کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آجائے۔ میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کو دعا

کہہ دینا اور خط دکھا دینا۔

(۱۷، مارچ ۱۸۵۹ء)

امراؤ سے میرن صاحب،

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۵)

مار ڈالا یار، تیری جواب طلبی نے، اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ **ملک** و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر ہنس بول لیتے تھے:

سو بھی نہ تو کوئی دم، دیکھ سکا اے **فلک**
اور تو یاں کچھ نہ تھا، ایک مگر دیکھنا

یاد رہے۔ یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔

کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب، اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو۔ اور تو کچھ بن نہیں آتی۔ مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کی نہیں کر سکتی۔ بہر حال کچھ لکھتا ہوں۔ کیا لکھتا ہوں۔

سنو، پنسن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال معلوم نہیں۔ دیر آید درست آید۔

بھئی۔ میں تم سے بہت آرزو ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت۔ نہ مجھ کو تہنیت۔ بلکہ اس طرح سے لکھا گیا ہے۔ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو کہ میرن صاحب ویسے ہو گئے، جیسے آگے تھے۔ اچھلتے کودتے پھرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی کہ ہے ہے، کیا غضب ہوا۔ یہ کیوں اچھے ہو گئے۔ یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع سنا ہو گا۔ بہ تغیر الفاظ لکھتا ہوں:

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں؟
دلی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یہ ہے:

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں؟
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

"میر کی جگہ میرن اور رہا کی جگہ بچا کیا اچھا تصرف ہے!

ارے میاں تم نے کچھ اور بھی سنا، کل یوسف میرزا کا خط لکھنو سے آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان، والد کا دائم الحبس ہوگا۔ حیران ہوں کہ یہ کیسی آفت آئی۔ یوسف میرزا تو جھوٹ کا ہے کہ لکھے گا۔ خدا کرے اس نے جھوٹ سنا ہو۔

لو بھئی۔ اب تم چاہو بیٹھے رہو۔ چاہے جاؤ اپنے گھر، میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہاں تک کہ بڑا لڑکا باقر علی خاں بھی۔ صف اک میں اور ایک میرا بیٹا حسین علی خاں، یہ ہم روزہ خوار ہیں۔ وہی حسین علی خاں، جس کا روزمرہ ہے۔ کھلونے منگا دو۔ میں بجار (بازار) جاؤں گا۔ میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط کو ضرور سنا دینا۔

برخوردار میر نصیر الدین کو دعا پہنچے۔

(اپریل ۱۸۵۹ء)

غالب

---

۱ میرا خیال ہے یہ فقرہ میر مجروح نے میرزا کو لکھا تھا۔ میرزا اسے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب تمہیں ان بچھڑے ہوئے دوستوں کی صحبتیں اور تقریریں یاد آتی ہیں

تو مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال اکادمی پاکستان
©2002-2006

(۱۶)

برخوردار کامگار میر مہدی،

قطعہ تم نے دیکھا؟ سچ مچ میرا حلیہ ہے واہ اب گیا شاعر رہ گئی ہے۔ جس وقت میں یہ قطعہ وہاں بھیجنے کے واسطے لکھا۔ ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں۔ لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔ تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے۔ میں نے کہا کہ اب کیوں لکھوں۔ اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر، ٹکٹ لگا کر، سر نامہ لکھ کر، کلیان کے حوالے کر، میں گھر چلا گیا اور وہاں ایک چھیڑ بھی تھی کہ دیکھوں؟ یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے سن لیا ہوگا۔ مگر وہ جو تم نے سنا ہوگا۔ بے اصل باتیں ہیں۔ پنسن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر، یہاں کے حاکم نے ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑ دی۔ میرا اس میں کیا ضرر۔

یہاں تک لکھ چکا کہ دو آدمی آ گئے۔ دن بھی تھوڑا رہ گیا۔ میں نے بکس بند کیا۔ باہر تختوں پر آ بیٹھا۔ شام ہوئی۔ چراغ روشن ہوا۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کے طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیر الدین آیا۔ اک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ۔ اس کے سر پر ٹوکرا، اس پر گھاس ہری بچھی ہوئی۔ میں نے کہا، ہاہاہا، سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسد بھیجی ہے۔ بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے۔ یہ کچھ اور ہے۔ فیض خاص نہیں، لطف عام ہے۔ شراب نہیں۔ آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل

ہے، بلکہ نعم البدل ہے[1]۔ ایک ایک آم کو ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا۔ بادہ انگوری سے بھرا ہوا۔ مگر وہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ پینسٹھ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے۔ میاں کہتا تھا کہ یہ اسی تھے، پندرہ بگڑ گئے۔ بلکہ سڑ گئے۔ تا ان کی برائی اوروں میں سرایت نہ کرے۔ ٹوکرے میں سے پھینک دیے۔ میں نے کہا۔ بھائی، یہ کیا کم ہیں۔ اگرچہ تمہاری تکلیف اور تکلف سے خوش نہیں ہوا۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں ہے جو تم نے آم خریدے؟ خانہ آباد، دولت زیادہ۔

لیکور[2] ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی، جیسا قند کا قوام پتلا۔ دیکھو۔ اس لغت کے معنی کسی فرہنگ میں نہ پاؤ گے۔ ہاں فرہنگ سروری میں ہو تو ہو۔

"مجتہد العصر، اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ ان کے علم کی کنجی اور ٹکے ٹکے کی کتابیں چالیس پچاس روپے کو لے گئے ہیں، میری دعا کہہ دینا۔

(۱۸۵۹ء)

غالب

---

[1] مطلب یہ ہے کہ پہلے شراب بھیجی تھی اب آم بھیجے

(۱۷)

بھائی،

تم لڑکوں کی سی باتیں کرتے ہو، جو ماجرا سنا تھا، وہ البتہ موجب تشویش تھا۔ تمہاری تحریر سے وہ تشویش رفع ہوگئی۔ پھر تم کیوں ہائے۔ واویلا کرتے ہو؟ اوپر کا حاکم موافق ہے۔ ماتحت کا حاکم جو مخالف ہوگیا تھا۔ سو گیا پھر کیا قصہ ہے؟

''قاطع برہان کے سب مسودے میں نے پھاڑ ڈالے، اس واسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہوگئی۔ ہاں اس کی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں، نواب ؔ صاحب نے کر لی ہیں۔ ایک میرے واسطے، ایک عالی جاہ ضیاء الدین خاں کے واسطے، میری ملک کی جو کتاب ہے اس کی جلد بندھ جائے تو بطریق مستعار بھیج دوں گا۔ تم اس کی نقل لے کر میری کتاب مجھ کو پھر پھر دینا اور یہ امر بعد محرم واقع ہوگا۔ مگر یہ یاد رہ کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے۔ وہ ہرگز سمجھیں گے۔ صرف برہان قاطع، کے نام پر جان دیں گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی، وہ اس کو مانے گا۔ پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اس کو لگاؤ ہو۔ اساتذہ سلف کا کلام بھی بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو، ہٹ دھرم نہ ہو۔ پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی و نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا،

''فہمایش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنیش داس ولد لالہ بھیروں

ناتھ کا گھڑا ہوا ہے۔میری زبان سے کبھی تم نے سناہ۔اب تفصیل سنو،امر کے صیغے کے آگے شین آتا ہے،تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اوراس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔سوختن مصدر،سوزد مضارع،سوزامر،سوزش حاصل مصدر،اسی طرح،خواہش وکاہش وگزارش وگذارش،وآرایش وپیرائش وفرمایش،فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے۔مصدر جعلی ہے۔فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب لفظ عربی الاصل ہے کہ ان کو موافق قاعدہ تفریس فہمیدن وطلبیدن کرلیا ہے اوراس قاعدہ میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔فہم،یعنی فہم،سمجھ طلب یعنی طلب مانگ،فہمد مضارع بنا،طلبد مضارع بنا،خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالمصدر کیوں نہ بنائیں؟ سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہیے۔فہم تھا صیغہ امر،فہمد سے نکلا تھا۔الف اورے کہاں سے لایا؟ فہمائی تو نہیں ہے۔جو فہمایش درست ہو۔کہیں فرمایش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا۔وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔فرماید مضارع فرمائے امر حاصل مصدر فرمایش زیادہ زیادہ ۱۲،

پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا ہونے کی مبارک باد،میاں میں نے رات عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔میر اکاظم دین کے بارہ سوچھتر ہوتے ہیں۔لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمایش ٹکسال سے باہر ہے۔

(جولائی ۱۸۵۹ء)

غالب

۱(Liqueur)۔ ۲معلوم نہیں ان سے کون مراد ہے

(۱۸)

میری جان،

تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے۔ قلم دوات لے بیٹھے۔ اگر خط پہنچا ہے تو جواب، ورنہ شکوہ، شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے۔ حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈوا ڈالا۔ محلقین رؤسکم پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا کہ سر منڈوایا ہے۔ تو داڑھی رکھو۔ کہنے لگے۔ دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم، واللہ ان کی صورت قابل دیکھنے کے ہے، کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آ گئے اور بحال و برقرار رہے۔ خدا کا شکر بجالایا۔ کبھی تو ایسا بھی ہو کہ کسی عزیز کی اچھی خبر سنی جائے۔ میرا سلام کہنا اور مبارکباد دینا۔ بھول نہ جائیو۔

تمہاری شکایت ہائے بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی، میں نے یہ تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئے گا تو میں جواب لکھوں گا۔ آج شنبہ ۱۵، اکتوبر صبح کا وقت، ابھی کھانا پکا بھی نہیں ہے تبرید پی کر بیٹھا ہوں کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ کلیان بیمار ہے۔ ایاز کو خط دے کر ڈاک گھر روانہ کیا۔ بولو۔ تمہارا گلہ بے جا یا بجا، بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی؟ اور رہاں، یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیر الدین کا نام تمہارے قلم سے نہیں نکلتا؟ ان کی بندگی نہ لکھتے تو خیر و عافیت تو لکھتے۔ یہ باتیں اچھی نہیں۔ میرن صاحب کے باب میں حیران ہوں۔ تنہا تمہارے ساتھ گئے ہیں۔ والدہ ان کی پانی پت میں ہیں۔

وہاں کوئی مکان لے کر والدہ کو وہیں بلائیں گے۔یا خود بعد چند روز کے یہاں آ جائیں گے۔ یہ دو باتیں جواب طلب ہیں۔میر نصیرالدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو۔رہ امیر اپنسن اس کا ذکر نہ کرو۔اگر ملے گا تو تم کو اطلاع دے دی جائے گی۔شہر کی آبادی کا چرچا ہوا۔ کرایے کا مکان ملنے لگے۔چار پانسو گھر آباد ہوئے تھے کہ پھر وہ قاعدہ مٹ گیا۔ خدا جانے کیا دستور جاری ہوا ہے۔آیندہ کیا ہو گا۔

سلطان العلماء مجتہد العصر مولوی سید سرفراز حسین کو، اگرچہ نظر ان کے مدارج علم و علم پر، بندگی چاہیے۔مگر خیر میں عزیز داری و یگانگی کی راہ سے دعا لکھتا ہوں۔ میرن صاحب کو دعا اور بعد دعا کے بہت سا پیار۔میر نصیرالدین کو دعا۔زیادہ کیا لکھوا۔

(۱۵ اکتوبر ۱۸۵۹ء)

از غالب

---

1 حلق راس کے معنی ہے سر منڈانا۔یہ قرآن مجید کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔

(۱۹)

بھائی،

نہ کاغذ ہے۔ نہ ٹکٹ ہے۔ اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں۔ اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔ غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ اور ٹکٹ منگا لوں۔ شنبہ ۸۔ نومبر صبح کا وقت ہے۔ جس کو عوام بڑی فجر کہتے ہیں۔ پرسوں تمہارا خط آیا تھا۔ آج جی چاہا کہ ابھی تم کو خط لکھو۔ اس واسطے یہ چند سطریں لکھیں۔

برخوردار میر نصیر الدین پر ان کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ جائے گا۔ ہاں عظیم النساء بیگم نام اچھا ہے کہ اس میں ایک رعایت ہے۔ شاہ محمد عظیم صاحب رحمتہ اللہ کے نام کی۔ مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے۔ کہ ان کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے۔ یہ ادبی اچھی نہیں۔ میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔

شہر کا حال کیا جانوں کیا ہے؟ پون ٹوٹی [۲] کوئی چیز ہے۔ وہ جاری ہوگئی ہے۔ سوا ے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں۔ جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ وارلبقا[۳] ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑ تک ڈہے گا۔ دونوں طرف سے پھاوڑا چل رہا ہے۔ باقی خیرو عافیت ہے۔ حاکم اکبر کی آمد سن

رہے ہیں۔ دیکھیے دلی آئیں یا نہیں؟ آئیں تو دوبارہ کریں یا نہیں، دربار کریں تو میں گنہ گار ملایا جاؤں یا نہیں؟ بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں۔ پنسن کا نہ کہیں ذکر ہے۔ نہ کسی کو خبر ہے۔

سہ شنبہ ۸، نومبر ۱۸۵۹ء   غالب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۰)

میری جان،

تو کیا کہہ رہا ہے کہ؟ نیے سے سیانا سو دیوانا۔ صبر وتسلیم وتوکل ورضا شیوہ سوفیہ کا ہے۔ مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو؟ کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں ہی کی پرورش میں کرتا ہوں، استغفر اللہ، لاموثر فی الوجود الا اللہ، یا تم سمجھتے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول لوں گا اور اس کے انڈے بچے بیچ کر خیرید کروں گا اور پھر کیا کروں گا اور آ کر کیا ہوگا، بھائی یہ تو میں نے اپنا راز دل تم سے کہا تھا کہ آرزو یوں ہی تھی اور اب وہ نقش باطل ہوگیا۔ ایک حسرت کا بیان تھا، نہ خواہش کا۔

دیکھا۔ اس پنسن قدیم کا حال، میں تو اس سے ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں۔ لیکن جب تک جواب نہ پاؤں، کہیں اور کیوں کر چلا جاؤں۔ حاکم اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے۔ دیکھیے کب آئے۔ آئے تو مجھے بھی دربار میں بلائے یا نہ بلائے۔ خلعت ملے یا نہ ملے؟ اس بیچ میں ایک اور پیچ آپڑا ہے۔ اس کو دیکھ لوں اور پھر اسی کا انتظار نہیں، اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد پنسن کے ملنے نہ ملنے کا تردد بدستور رہے گا۔ سبک سر کیوں کر بن جاؤں کہ یہ سب امور ملتوی چھوڑ کر نکل جاؤں؟ پنسن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رام پور کے ٹھکانہ نہیں ہے۔ وہاں تو جاؤں،۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا۔ اب انجام کار میں اضطراب کی کیا وجہ، چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے۔

ویسا عمل میں آتا ہے۔

صاحب، میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں۔ واللہ میں کچھ نہیں کہ یہ کس مقدمے کا ذکر ہے۔

غالب

---

[1] امیر سرفراز حسین[2] ٹون ڈیوٹی یعنی چنگی[3] مفتی صدر الدین آرزدہ مرحوم کی قائم کی ہوئی۔ درس گاہ م، جس ادب و حکمت اور علوم دین کی تعلیم ہوتی تھی اور تمام طلبہ کا کھانا اور لباس اور کتابیں درس گاہ کی طرف سے ملتی تھی۔[4] باقر علی خاں اور حسین علی خاں[5] فرزندان عارف

All rights reserved.
©2002-2006

(۲۱)

بھائی،

کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں؟ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع جامع مسجد کا، ہر ہفتے سیر جمنا کے پل کی۔ ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۱۔

نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵۔ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھیے کہاں اترے اور کیوں کر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار۲ تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہارو، چار معدوم محض ہیں۳۔ جو باقی رہے اس میں سے دو جانہ لوہارو تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر، اگر حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان۴ دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس، دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفیٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدر الدین خاں، بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد، تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم:

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادہ گلفام گو برسا کرے

تم آتے ہو۔ چلے آؤ۔ نثار خاں کے چھتے کی سڑک، خان چند کے کوچہ کی

سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچے کو ڈھینا، جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ۔ چلے جاؤ۔

مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا۔ یوسف ہند میر میر افضل کو دعا۔

۶۔ جمادی الاولی صبح جمعہ (۱۲۷۶ء)

از غالب

۲۔ دسمبر، سال حال ۱۸۵۹ء)

۱۔ مراد یہ کہ دلی کی رونق ان ہنگاموں پر موقوف تھی۔ وہ ہنگامے نہ رہے تو رونق بھی نہ رہی۔ ۲۔ یہ دلی کے آس پاس ریاستیں تھیں۔ جنھیں ہفت گانہ کہتے تھے۔ نام غالب نے خود بتا دیے ہیں۔ ۲۵ یعنی جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ فرخ نگر یہ ریاستیں غدر میں مٹ گئیں۔ ۳۔ دو جانہ ولوہارو۔

اختتام ــــــــــــــ حصہ دوم